قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

خط و کتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)
۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱
پوسٹ کوڈ ——— ۵۴۶۶۰
ٹیلیفون : ۸۷۹۲۴۶

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری
معاون : ثریا عندلیب
ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

ناشر : شیخ عبدالحمید
طابع : خالد منصور نسیم
مطبع : النور پرنٹرز و پبلشرز
۳/۲ فیصل نگر۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۲۵
ٹیلیفون ——— ۴۸۵۸۲۶

مقامِ اشاعت : ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

فہرست مضامین

۱	لمعات	ادارہ	۲
۲	قرآنی معاشرے میں کیا ہوگا	ادارہ	۹
۳	شریعت بل قرآن کے آئینے میں	رانا محمد اسلم	۱۱
۴	قصاص دیت اور عاقلہ	بشیر احمد عابد	۱۶
۵	جہنم میں کیا ہوگا	سلمیٰ لطیف	۲۲
۶	مملکت کے بقاء و فروغ کا ابدی اصول	محمد عمر دراز	۲۷
۷	سیاسی پارٹیاں (سوالنامہ)	محمد حنیف وجدانی	۲۹
۸	اِیَّاکَ نَعۡبُدُ	ثریا عندلیب	۳۶
۹	قرآنی تعلیم بچوں کے لئے (عمل)	قاسم نوری	۴۱
۱۰	فکرِ قرآنی کا سفر (۱۹۹۰ء کے آئینے میں)	〃 〃	۴۴
۱۱	MEANING OF MARRIAGE	(ادارہ)	۶۴

جلد ۴۴ ——— جنوری ۱۹۹۱ء ——— شمارہ ۱

بدلِ اشتراک
سالانہ
پاکستان ——— ۶۰ روپے
بیرونی ممالک ——— (بذریعہ سمندری ڈاک) ۱۲۵ روپے
فی پرچہ : -/۵ روپے

لمعات

> تماشا کر اے محوِ آئینہ داری
> تجھے کس تمنّا سے ہم دیکھتے ہیں!

یہ حقیقت ہے کہ طلوعِ اسلام نے عملی سیاست میں کبھی دخل نہیں دیا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ کسی دَور میں بھی نظری سیاست سے لاتعلّق نہیں رہا ——— کیونکہ سیاست سے یکسر لاتعلّق قومی معاملات سے رُوگردانی ہے۔ قیامِ پاکستان کی تحریک میں اس کی شمولیت پہ اس کی فائلیں گواہ ہیں کہ فکری محاذ پہ جتنا حصّہ اس تحریک نے لیا اور کسی کو نصیب نہ ہُوا۔ اس کے بعد بھی قومی معاملات میں یہ ہمیشہ فکری اور نظریاتی راہنمائی کرتا رہا ہے۔ آج کل بھی ایک ایسا ہی مسئلہ قومی زندگی میں اُبھر کر سامنے آرہا ہے کہ اس پر خاموش رہنا زیادتی ہوگی۔

آج کل صبح وشام، دن رات، وزیرِ مشیر، وزراءِ اعلیٰ، وزیرِاعظم، صدرِ مملکت ہر کسی کی زبان پر ایک ہی بات ہے۔ قومیانے کے عمل کو ختم کر کے نجی سطح پر کاروبار، صنعت، صحت اور تعلیم کو فروغ، پبلک سیکٹر کی بجائے پرائیویٹ سیکٹر پہ زور، نیشنلائزیشن کی بجائے پرائیویٹائزیشن کی حوصلہ افزائی۔ بلکہ پہلے سے قومیلئے گئے اداروں کو پرانے مالکوں کو واپسی کے ارادے اور اقدامات ——— اور سب اسے معیشت کی گرتی ہوئی عمارت کے لئے شافی علاج بلکہ تریاق قرار دے رہے ہیں۔ کیا واقعی ایسا ہے؟ نجی شعبے کی ہر سطح پر حوصلہ افزائی ہی ہماری اقتصادی زبوں حالی کا علاج ہے؟ سرکاری حلقے چونکہ اس پالیسی کے حامی ہیں اس لئے اس کے حق میں بڑی دُور کی کوڑی لا رہے ہیں، روس میں اشتراکی نظام کی ناکامی تک کو اسی کھاتے میں ڈالا جا رہا ہے۔ روس کی دگرگوں معاشی حالت، خوراک اور دیگر سامانِ زلیست کی کمیابی اور مغربی سرمایہ دار ملکوں کی طرف سے اس کی امداد اور خود روسی نظام میں تبدیلیاں حتّٰی کہ نجی ملکیت کی اجازتوں کی نوید اس کے حق میں ثبوت کے طور پر پیش کئے جا رہے ہیں۔

چونکہ قومیانے کے اقدام ایسی حکومت نے کئے تھے جس کا نعرہ "سوشلزم ہماری معیشت ہے"

تھا۔ اسی لیے انہیں جتلایا جا رہا ہے کہ دیکھا سوشلزم نے روس والوں کو کیا دن دکھلائے ہیں، باز آ جاؤ!

روس کا نظام کیوں ناکام ہوا یہ ایک الگ بحث ہے جو سطحی اور سرسری نہیں، گہرے سوچ بچار کا تقاضا کرتی ہے۔ اس وقت ہمارے پیشِ نظر پاکستان کی معیشت کی بحالی کے لئے چارہ گروں کی ماہرانہ آراء کا مسئلہ ہے ——— اور ان ماہروں میں حکومتی مشیر ہی نہیں ——— ہمارے سارے بیرونی صلاح کار، عالمی بینک، آئی - ایم - ایف ——— سبھی کے وردِ زبان بھی ایک ہی وظیفہ ہے، پرائیویٹ انٹر پرائز۔ ایسے مواقع پر کوئی نہ کوئی عالمی شہرت کا مالک ماہر اقتصادیات ہماری مدد کے لئے آدھمکتا ہے، کبھی وزیر بن جاتا ہے، کبھی مشیر کبھی ——— کبھی شعیب کی صورت کبھی محبوب الحق کی شکل میں، کبھی معین قریشی کا نام لیے، اور جب وہ اپنا رول ادا کر چکتے ہیں تو پھر اپنے اصل مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ شعیب واپس ورلڈ بینک گئے، محبوب الحق بھی واپس امریکہ سدھارے۔ اگرچہ ہماری سینیٹ میں ابھی تک موجود ہیں، اور اب معین قریشی فرما رہے ہیں - ۱۲ دسمبر کے روزنامہ جنگ میں ان کا بیان ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ:-

> "اب مناسب وقت ہے کہ پاکستان ڈی ریگولیشن اور ڈس انویسٹمنٹ پر عمل پیرا ہو اور اب یہ پالیسی بھی واضح ہو چکی ہے کہ پاکستان کے مستقبل کی اقتصادی ترقی کیلئے پرائیویٹ سیکٹر بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کرے گا ...... عالمی بینک پاکستان کی آزاد تجارت کی پالیسی کی کامیابی کے لئے امداد کا سلسلہ جاری رکھے گا"

فنکار وہی، ہاتھ وہی، رنگ وہی ہیں
صورت ہے وہی، ہے وہی تصویر پرانی

سوال تو یہ ہے کہ عالمی بینک کی امداد پہلے بھی تو آتی رہی ہے، پہلے یہ اسے کیوں نہیں بچا سکی؟ پاکستان اس نوبت کو کیوں پہنچا - انہی امدادیوں کا ہم پاکستانیوں پر یہ کرم ہے کہ بجلی کے نرخ بڑھے - گیس اور پانی کے نرخوں میں اضافہ ہوا، کرایوں میں اضافہ انہی کے مشوروں پر ہوا - اور اب جب ہمارے اربابِ اختیار خود انحصاری کا نعرہ لگا رہے ہیں - یہ حضرات پھر ہماری مدد کا سلسلہ جاری رکھنے کی خوشخبری لئے ہماری مہمان نوازی کا فائدہ اٹھانے چلے آئے ہیں اور ہم ہیں کہ میر صاحب بنے:

----- بیمار ہوئے جس کے سبب، اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں ———

پرائیویٹائزیشن والے ہمیں سمجھاتے ہیں کہ دیکھو جو کارخانے پرائیویٹ مالکوں یعنی سرمایہ داروں کی ذاتی

ملکیت سے تھے کس طرح پھولتے پھلتے گئے۔ محاورے کے مطابق دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتے گئے۔ جس نے ایک بل سے کام شروع کیا دیکھتے ہی دیکھتے اس کی دس ملیں کھڑی ہوگئیں۔ جس نے ابھی کل ایک بس سڑک پر ڈالی تھی، آج بسوں کے پورے قافلے کا مالک بن گیا۔ اس کے برعکس سرکاری انتظام میں دی گئیں اچھی خاصی منافع بخش ملیں، فیکٹریاں خسارے میں پڑکر ویران ہوگئیں۔ سرکاری ٹرانسپورٹ میں ہمیشہ سینکڑوں نئی بسیں شامل ہوئیں اور کچھ ہی عرصہ بعد کھٹارا بن کر مُردہ بسوں کے قبرستان میں کھڑی نظر آنے لگیں — — اور یہ باتیں جھٹلائی نہیں جاسکتیں

تو کیا یہ مان لیا جائے کہ درست نقطۂ نظر یہی ہے اور اس مسئلہ کا حل یہی ہے کہ دوبارہ ان صنعتوں کو شخصی ملکیت میں دے دیا جائے۔ مقصد ملک میں صنعتوں کا جال بچھانا ہے۔ لوگوں کو روزگار دلانا ہے۔ اس کے لئے اب دوسرے ملکوں کے سرمایہ داروں سے بھی کہا جا رہا ہے کہ اپنا سرمایہ ہمارے ملک کی صنعتوں میں لگائیں، یہاں چونکہ لیبر سستی ہے اس لئے منافع زیادہ ہوگا۔ اور وہ یہ منافع اپنے گھر بھی لے جاسکیں گے ——— سوچ لیں کیا اس طرح سے ہم ایک نہیں بہت سی ایسٹ انڈیا کمپنیوں کو تو بلاوا نہیں دے رہے۔ یہ آ بیل مجھے مار والی بات تو نہیں،

اوّل تو یہ بات ہی محلِ نظر ہے کہ پاکستان میں کچھ صنعتیں اور ادارے درحقیقت قومیائے گئے تھے۔ ایک ملکیت سے نکال کر کارخانوں کو ایک اور ملکیت میں دے دینا کوئی نظریاتی تبدیلی نہیں، محض مالکوں کی تبدیلی ہے، مالک اگر محنتی ہو، دیانت دار ہو، لیبر کو کنٹرول کرنا جانتا ہو۔ صنعت کی اونچ نیچ سمجھتا ہو تو کاروبار بڑھے گا۔ اگر جاہل ہے، بے ایمان، حالاتِ کار سے بے خبر اور کام چور ہے تو دیوالیہ ہو جائے گا ——— ہمارے ہاں تو کارخانے قومیائے گئے ہی نہیں، انہیں حکومت وقت نے اپنے کنٹرول میں لے لیا، وہ تو بس سرکارے گئے، نہ قوم میں قوم ہونے کا احساس پیدا کیا گیا۔ نہ قومی جذبہ بیدار کیا گیا۔ سرکاری ملازم اپنے آپ کو سرکاری افسر ہی سمجھتے رہے، قومی خادم نہ بنائے جاسکے، صورتِ حال میں کوئی تبدیلی نہ لائی گئی اور اور کروڑوں روپے کے کارخانے اور ادارے ان کے سپرد کر دیئے گئے PUTTING THE CART BEFORE THE HORSE) کی اس بہتر عملی تفسیر اور کہاں دیکھنے میں آئی ہوگی۔ صنعتکار تو منافع کے لالچ ہی میں سہی کاروبار کے ہر پہلو پر ہر اونچ نیچ پر نظر رکھتا ہے۔ افسروں نے تو محض افسری کرنا سیکھی ہوتی ہے۔ رعایا پہ حکومت اور بدلے میں تنخواہ پانا ——— نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ اچھے بھلے منافع بخش کارخانے خسارے میں گئے اور پھر ٹھپ ہوکر رہ گئے۔

اور پھر یہ بھی تو ایک نقطۂ نظر ہے کہ فرد مالک ہو تو اسے چھوڑا بھی جاسکتا ہے۔ دوسری نوکری بھی

تلاش کی جا سکتی ہے لیکن جہاں خود حکومت مالک ہو، محنت کش مجبور ہوتا ہے طوعاً وکرہاً کام کرتا ہے۔ اور بے دلی سے کیا ہوا کام کبھی اچھا کام نہیں ہو سکتا۔ اسی صورتِ حال کو سامنے رکھ کر مودودی صاحب نے اعتراض کیا:۔

"سوشلزم میں کھیت قومی ملکیت ہوتے ہیں، آپ صرف کاشتکار ہوتے ہیں، سارے کارخانے حکومت کے ہوتے ہیں، آپ صرف مزدور ہوتے ہیں۔ ذرائع پیداوار کو قومی ملکیّت بنانے کا تخیّل بنیادی طور پر اسلام کے نقطۂ نظر کی ضد ہے۔ لہٰذا ہمیں اسلامی اصول پر زمین کے بندوبست کی اصلاح کرنی ہے تو ایسی تمام چیزوں کو پہلے ہی قدم پر لپیٹ کر رکھ دینا چاہیئے جن کی بنیاد میں قومی ملکیت کا نظریہ۔ اصول یا نصب العین کی حیثیت سے موجود ہو۔ اسلامی معاشرہ کے لئے تو یہ نہایت ضروری ہے کہ اس کے اگر سب نہیں تو اکثر افراد اپنی معیشت میں آزاد ہوں اور اس غرض کے لئے ناگزیر ہے کہ ذرائع پیداوار افراد ہی کے ہاتھوں میں رہیں۔"

تو میاں نے کا قدم چونکہ ایک ایسی حکومت کے دور میں اٹھایا گیا تھا جس کے منشور میں تھا کہ "سوشلزم ہماری معیشت ہے"، اور موجودہ حکومت جماعت اسلامی کے زیرِ اثر ہے۔ اسی لئے شاید ذرائع پیداوار کو اداروں سے چھین کر افراد کو لوٹا رہی ہے۔ ان کے تصوّرِ اسلام میں تو کیفیّت یہ ہے:۔

"جس طرح اسلام ہم سے یہ نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنا روپیہ، اتنے مکان، اتنا تجارتی کاروبار، اتنا صنعتی کاروبار، اتنے مویشی، اتنی موٹریں، اتنی کشتیاں اور اتنی فلاں چیز اور اتنی فلاں چیز رکھ سکتے ہو اسی طرح وہ ہم سے یہ بھی نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ کتنے ایکڑ زمین کے مالک ہو سکتے ہو۔"

مولانا! ہم آپ کی بات مانیں تو قرآنِ پاک کی ان تمام آیات کو کہاں لے جائیں جو دولت جمع کرنے سے منع کرتی ہیں اور جمع کرنے والوں کو انہی سکّوں کو تپا کر ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغنے کی وعید دیتی ہیں۔ ہمیں تو قرآنِ کریم میں خرچ کرنے بلکہ خرچ کرنے ہی کے متعلّق آیات جا بجا نظر آتی ہیں۔ بے حد و حساب جمع کرنے کی تلقین کرنے والی تو کوئی آیت نظر نہیں آتی۔

اور پھر غیر اسلامی سوشلسٹ حکومتوں کے دور میں تو ایسا سوچنے کی گنجائش ہو بھی سکتی ہے۔ لیکن اسلام کی دعویدار حکومتوں کے بارے میں یہ بدگمانی تو خود اسلام سے بدگمانی کہی جا سکتی ہے۔ اگر اسلام اربابِ اختیار کی ذہنیّت میں اتنی بھی انصاف پسندی اور عدل گستری نہیں لا سکتا، اگر وہ کردار میں،

ذاتی مفادات سے اوپر اٹھ جانے اور اجتماعی مفاد کی نگرانی کرنے کی تبدیلی نہیں لاسکتا تو وہ انسانی راہنمائی کا مدعی کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر یہ حکومت بھی اپنے وزیروں مشیروں میں اور اسلام کی نام لیوا یہ جماعتیں بھی اپنے ورکروں اور عہدیداروں میں ایسے بے لوث، صاحبِ کردار لوگوں کی موجودگی سے مایوس ہیں تو مان لینا چاہیئے کہ ہم میں من حیث القوم کردار کی بلندی عنقا ہوچکی ہے اور ہم محض منافع خوری کی خاطر دل لگا کر کام کر سکتے ہیں۔ اخلاقی گراوٹ کے اس اعتراف کے بعد ہمیں کم از کم اسلام کی رٹ لگانے سے باز رہنا چاہیئے اور سیدھے سادے سرمایہ داری نظام کی بڑائی کے گن گانے چاہئیں کیونکہ اس طرح وقتی طور پر صنعتی ترقی ضرور نظر آئے گی، مجموعی قومی آمدنی G.N.P ضرور بڑھے گی۔ اجارہ داریاں ختم ہونگی، امیر، امیر تر اور غریب غریب تر ہوجائیں گے، فاقہ کشی نہ رہے گی مگر غریبوں کی مجموعی تعداد بڑھتی جائے گی۔ اسلامی مساوات کا جو تصور اسلام نے ہمیں دیا ہے ہم اس سے اور بھی دور ہوتے جائیں گے۔ یہاں بھی فورڈ، ٹاٹا، برلا پیدا ہونگے اور ان کی اپنی اپنی صنعتی سلطنتیں ہونگی ــــ اور اگر ایسا بیرونی سرمائے کے بل پہ ہوا تو ہم نئی ایسٹ انڈیا کمپنیوں اور ان کے گماشتوں کے دوہرے غلام ہوجائیں گے۔ ہم سوشلزم کی وکالت نہیں کر رہے، ہمارے پیشِ نظر قائدِاعظمؒ کی وہ تقریر ہے جو انہوں نے اپنی زندگی کی آخری پبلک تقریب سٹیٹ بینک کے افتتاح کے موقع پر کی تھی، انہوں نے فرمایا تھا،

> "ہمیں اپنا راستہ آپ متعین کرنا چاہیئے اور دنیا کے سامنے ایسا نظام پیش کرنا چاہیئے جو اسلامی مساوات اور عدلِ عمرانی کے اسلامی تصورات پر مبنی ہو۔ صرف یہی طریق ہے جس سے ہم اس فریضہ سے عہدہ برا ہوسکیں گے جو انسانیت کو تباہیوں سے بچائے جانے اور نوعِ انسان کی بہبود و مسرت اور خوشحالی کا ضامن ہوسکے یہ کام کسی اور نظام سے نہیں ہوسکتا۔"

قائدِاعظم کے ایسے فرمودات وہ راہنما اصول ہیں (GUIDING PRINCIPALS) جو ہمیں اپنی ہر تعمیر میں پیشِ نظر رکھنے ہونگے۔ وہ ایک بالغ نظر سیاستدان کے خیالات ہی نہیں، قرآنِ پاک سے راہنمائی حاصل کرنے والے ایک نابغۂ روزگار مسلمان راہنما کے عزائم کے مظہر بھی ہیں جس کی کاوشوں سے اس وقت کی سب سے بڑی اسلامی ریاست کا وجود عمل میں آیا تھا۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسلامی حکومت میں زمین ذاتی ملکیت یا ریاست کی ملکیت نہیں ہوتی۔ زمین اللہ کی زمین مانی جاتی ہے اَلْاَرْضُ لِلّٰہِ۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے بطور بخشش عطا ہوا اس کی حد بندی نہیں کی جا سکتی (۱۷:۲۱) وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا۔ یہ زمین سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ (۴۱:۱۰) قرار دی گئی (تمام ضرورت مندوں کے لئے

یکساں کھلی) اس لئے کہ اس میں بھوکوں کے لئے سامانِ زندگی ہے مَتَاعًا لِلْمُقْوِيْنَ (۷۳ : ۵۶)
کسی بھی انسان کا حق اتنا ہی ہے جتنی وہ محنت کرتا ہے۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۳۹ : ۵۳)
اسلامی مملکت تمام افرادِ معاشرہ کے رزق کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتی ہے۔ اللہ کی ذمہ داری
نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (۱۵۲ : ۶) کو وہ مملکت جو خدا کے قانون کو نافذ کرنے کے لئے
وجود میں آتی ہے اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے، خدا اپنے بندوں کے ذریعے ہی اپنی ذمہ داریاں پوری کرتا
ہے۔ جب اس نے رزق کی ذمہ داری اپنے اوپر لی تو رزق کے سرچشمے اور وسائل پیداوار جو خدا کی
مِلک ہیں اس مملکت کی تحویل میں چلے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کا ایسا انتظام کرے جس سے تمام افراد کی
پرورش ہوتی چلی جائے۔

جب افراد کی تمام ضروریاتِ زندگی اور ان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کے لیے سامان و ذرائع کی فراہمی
کی ذمہ داری مملکت نے اپنے سر لے لی تو دولت کا افراد کی ملکیت میں رہنا بے معنی ہو جاتا ہے۔ اسی
صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے کسی نیک روح نے سوال کیا ہوگا کہ جواب آیا يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا
يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (۲/۲۱۹) اس طرح فاضلہ دولت (SURPLUS MONEY) کا
مسئلہ ختم ہوا۔ نظامِ سرمایہ داری کی جڑ کٹ گئی۔

آپ کہہ سکتے ہیں یہ ایک خواب ہے، تخیل کی فسوں کاری ہے، UTOPIA ہے
ایسا کبھی نہ ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسا ہوا ہے ورنہ یہ يَسْئَلُوْنَكَ کا کیا مقام
ہے۔ اور ایسا پھر ہو سکتا ہے کہ اس کے لیے تربیت کا انتظام ہی تو درکار ہے۔ يُزَكِّيْهِمْ
ہاں یہ ایک طویل پروگرام ہے جو کبھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیئے ورنہ کچھ بھی حاصل
نہیں ہو سکے گا۔ منزل نگاہوں میں نہ ہوگی تو سفر کی سمت کیسے متعین ہو سکے گی۔

اتنی دیر کیا کیا جائے۔ یہی سرمایہ داروں کی اجارہ داریاں استحصالی نظام؟ نہیں، زیادہ سے زیادہ
لوگوں کی بہتری کے راستے سوچے جا سکتے ہیں یہی صنعتی میدان جو اس وقت پیشِ نظر ہے اس میں بھی ساری
آزادی صرف سرمایہ دار کو نہیں دی جانی چاہیئے۔ پیداوار کے لئے اگر اسکا سرمایہ ضروری ہے تو محنت کش
کے دست و بازو، اس کا پسینہ بھی اتنا ہی ضروری ہے ـــــ دونوں کے اشتراک کے بغیر کوئی کام
آگے نہیں جا سکتا۔ تیسرا عامل اس دور میں وہ مشین ہے جو سرمایہ دار کے سرمائے سے آتی ہے اور
جس پر محنت کش محنت کرتا ہے تاکہ پیداوار ہو ـــــ تینوں حصہ دار ہیں، کیوں نہ ایک حصہ سرمایہ دار کا ہو
ایک حصہ ان تمام محنت کشوں کا جو اس میں خون پسینہ ایک کرتے ہیں اور ایک حصہ مشین کا ـــــ

مشین خراب بھی ہو جاتی ہے، گھستی بھی ہے، تبدیل بھی کرنی پڑتی ہے ــــــ کام بڑھانے کے لئے نئی بھی لگانی پڑتی ہے ــــــ ریاست کا کام ان میں ایک توازن قائم رکھنا ہے۔ نہ سرمایہ دار سب کچھ سمیٹ کے لے جائے اور مزدور بھوکا ننگا رہے، نہ مزدور، سرمایہ لگانے والے اور مشین کا حصّہ ہڑپ کر جائیں اور سرمایہ لگانے والا تہی دست ہو جائے، مشین بے کار ہو جائے تو متبادل کا انتظام نہ ہو۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں پھر سرمایہ دار صرف سرمایہ لگا کر روپیہ کما رہا ہے۔ اوّل تو وہ صرف سرمایہ ہی نہیں دے گا، محنت بھی کرے گا۔ انجینئر اس انداز سے محنت نہیں کرتا جس طرح ایک مشینی مزدور اور نہ ہی انتظامی امور کی دیکھ بھال کرنے والا فالتو شخص سمجھا جا سکتا ہے۔

اور پھر یہ تو عبوری دَور کے لئے ہے، سفر تو تربیت کے بل پر اسی سمت جاری رہے گا جو منزل ہے۔ اسلامی مملکت کی پہچان ہے۔

کس دریں جا سائل و محروم نیست | عبد و مولا حاکم و محکوم نیست
نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس | کس نباشد درجہاں محتاجِ کس

التماس

۱۹۹۱ء کے لئے جن کرمفرماؤں کا زرِ شرکت ختم ہو گیا ہے اُن سے التماس ہے کہ ۱۹۹۱ء کے لئے زرِ شرکت بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ مبلغ ۶۰ روپے اور بذریعہ چیک مبلغ ۸۰ روپے ارسال فرما کر ممنون فرمائیں!

یہی التماس

ان حضرات کے لئے بھی ہے جنہیں پرچہ تحفتہً یا اعزازی طور پر بھجوایا جاتا رہا ہے۔

عدمِ ادائیگی زرِ شرکت فروری ۱۹۹۱ء کا پرچہ ارسال نہیں کیا جائیگا!

ایڈیٹر

قرآنی معاشرہ میں کیا ہوگا؟

طلوعِ اسلام جس قسم کا قرآنی معاشرہ قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے اس میں:

۱۔ ہر شخص کی عزت، بلاتمیز مذہب، رنگ، نسل، پیشہ، محض اس کے انسان ہونے کی جہت سے ہوگی۔ کسی کو پست یا ذلیل نہیں سمجھا جائے گا۔ برتری کا معیار یہ ہوگا کہ کوئی شخص قوانینِ خداوندی کے مطابق اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں کس قدر محنت اور دیانت سے کام لیتا ہے۔ اس کا کیریکٹر کیسا ہے اور وہ نوعِ انسانی کو فائدہ پہنچانے کی خاطر کیا کرتا ہے۔

۲۔ کوئی شخص بے کس و لاچار اور بے یار و مددگار نہیں ہوگا۔ ہر ایک کی بات سنی جائے گی اور تکلیف رفع کی جائے گی۔ ہر شخص کو انصاف ملے گا اور بغیر کچھ خرچ کئے ملے گا۔ کوئی صاحبِ اثر، انصاف کے پلڑے کو اپنی طرف نہیں جھکا سکے گا۔

۳۔ کوئی فرد، بھوکا، ننگا یا بے گھر نہیں رہے گا۔ تمام افراد کے لئے خوراک، لباس اور مکان وغیرہ بنیادی ضروریاتِ زندگی کا انتظام کرنا معاشرہ کے ذمہ ہوگا۔

۴۔ معاشرہ کی یہ بھی ذمہ داری ہوگی کہ ہر شخص کی تعلیم و تربیت اور (بوقت ضرورت) علاج معالجہ کا تسلی بخش اور بلاقیمت انتظام کرے، تعلیم و تربیت کا منشاء، حصولِ علم کے علاوہ، فرد کی ذات کا استحکام اور اس کی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما ہوگا۔ بالفاظِ دیگر معاشرہ کا وجود فرد کی ذات کی تکمیل کے لئے ہوگا۔ "فرد" میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں اور سفرِ زندگی میں دوش بدوش چلنے کے قابل۔

۵۔ ہر شخص اپنی پوری استعداد اور محنت سے کام کرے گا۔ صرف وہ افراد کام نہیں کریں گے جو کسی وجہ سے کام کرنے سے معذور ہو گئے ہوں۔ یہ نہیں ہوگا کہ کچھ لوگ تو محنت کرتے کرتے ہلکان ہو جائیں، اور کچھ لوگ ان کی کمائی پر مفت میں عیش اڑائیں۔

۶۔ ہر شخص اپنی محنت کے ماحصل میں سے اپنے لئے صرف اتنا رکھے گا جس سے اسکی مناسب ضروریاتِ زندگی پوری ہوں۔ باقی سب حاجتمندوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے نظامِ مملکت کی تحویل میں دیدے گا۔

اور عند الضرورت دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دے گا کیونکہ انسانی ذات کی نشوونما کا یہی طریق ہے۔
یہ سب کچھ قرآنی نظام کے ذریعے عمل میں آئے گا۔

۷۔ رزق کے سرچشمے (خواہ وہ زمین کی شکل میں ہوں یا کارخانوں کی صورت میں) اُمت کی تحویل میں رہینگے تاکہ وہ افرادِ معاشرہ کی پرورش کے کام آئیں۔ قرآنی نظام انہیں، نظم و نسق کی خاطر، بطور امانت افراد کے سپرد کرے گا۔

جب افراد کی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری معاشرہ کے سر ہوگی اور رزق کے سرچشمے حاجتمندوں کے لئے کھلے رہیں گے تو کسی کے لئے دولت سمیٹ کر جمع کرنے اور جائیدادیں بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

۸۔ ہر معاملہ کا فیصلہ خدا کے احکام (قرآن کریم) کے مطابق ہوگا نہ کہ کسی خاص گروہ یا طبقہ کی مرضی کے مطابق۔ (اس میں گروہوں اور پارٹیوں کا وجود ہی نہیں ہوگا) اس لئے اس معاشرہ میں نہ کسی قسم کا جور ہوگا نہ استبداد۔ نہ ظلم ہوگا نہ زیادتی۔

۹۔ ہر شخص کھُل کر بات کرے گا۔ اس کے دل میں نہ کسی کی طرف سے نقصان پہنچنے کا ڈر ہوگا، نہ کسی کو نقصان پہنچانے کا خیال۔ ایک دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ ہوگا اور دھوکا اور فریب کی گنجائش نہیں ہوگی۔ اس طرح گھروں کے اندر سکون اور معاشرہ کے اندر اطمینان ہوگا۔

۱۰۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ ہر شخص قوانینِ خداوندی کے محکم اور مکافاتِ عمل کے اٹل ہونے پر یقین رکھے گا۔ یہ معاشرہ قائم ہی انہی بنیادوں پر ہوگا۔

۱۱۔ اس معاشرہ میں نظامِ حکومت، کمیونزم کی ڈکٹیٹرشپ یا مغرب کی لادینی جمہوریت یا تھیاکریسی کے بجائے خالص قرآنی اصولوں کے مطابق قائم ہوگا۔

طلوعِ اسلام، پاکستان میں اسی قسم کے معاشرہ کے قیام کے لئے کوشش کرتا ہے۔ اگر آپ بھی اس سے متفق ہوں تو اس کے لئے آپ طلوعِ اسلام سے تعاون کریں اور اس کے خلاف پھیلائے ہوئے غلط خیالات کو اہمیت نہ دیں کیونکہ وہ جھوٹا پراپیگنڈہ ہے جس کی اصلیت کچھ نہیں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام
۲۵/بی گلبرگ ۲، لاہور۔

محمد اسلم رانا
(ڈنمارک)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شریعت بل قرآن کے آئینہ میں

قرآن کریم جس خدا کا تصور پیش کرتا ہے اس خدا پر ایمان رکھنے والی قوم نے ایک مثالی اسلامی مملکت قائم کی جس کے اوّلین سربراہ خود نبی اکرم ؐ تھے۔ حضورؐ نے اس مملکت کا جو منشور جاری فرمایا اس کے سرفہرست یہ انقلاب آفریں اعلان تھا کہ:

مَا کَانَ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳:۷۸

"کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ خدا اسے ضابطۂ قوانین، حکومت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہنا شروع کردے کہ تم خدا کے احکام کی جگہ میرے احکام کی اطاعت کرو۔ اس کی تعلیم یہی ہوگی کہ تم سب اس کتابِ خداوندی کی اطاعت سے، جس کی تم دوسروں کو تعلیم دیتے ہو اور جس پر غور و تدبر سے اس کے مغز تک پہنچتے ہو، ربانی بن جاؤ (اس کے نظامِ ربوبیت کے علمبردار بن جاؤ)!"

پاکستان اسی منشور کے تحت حاصل کیا گیا تھا۔ اس کے حصول کے لئے مشرق و مغرب میں ایک گونج بلند ہوئی تھی — پاکستان کا مطلب کیا؟ —— لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ "اللہ کے سوا کوئی صاحبِ قوّت و اقتدار نہیں" کتنا بڑا اعلان تھا اس خطہ کو ایک مثالی اسلامی مملکت قرار پانا تھا۔ مگر سلطانی و مُلّائی و پیری کے جذام و سرسام نے اس گونج کو سرد خانے میں ڈال کر قوم کو فرقہ بندیوں اور سیاسی دھڑا بندیوں میں منقسم کرتے ہوئے مذہبی پیشوائیت کی بھول بھلیّوں میں گم کردیا۔ اربابِ اختیار نے قوم کی کشتی کو حرکت میں تو رکھا مگر ساحل (مقصد) کی طرف نہ آنے دیا۔ اب ساحل (مقصد) کا خوشنما سراب ۱۵۰۰ دلوں کے بعد ۵۰۰ الفاظ پر مشتمل پیشوائیت کا مارشل لاء شریعت بل کی صورت میں سینیٹ سے منظوری حاصل کرکے قوم پر شہابِ ثاقب کی طرح گرا ہے۔ اسی بل کی شق ۲ (ج) میں ہے:-

"کمیٹی پورے خلوص سے اس امر کا اہتمام کرے گی کہ ایسا مسوّدہ تیار کرے جس کو اصولوں سے انحراف کئے بغیر ملک کی آبادی کے زیادہ سے زیادہ افراد کی تائید حاصل ہو سکے۔ البتہ شریعت اور جمہوریت کے اس اصول کا احترام ناگزیر ہے کہ اگر کسی امر پر کوشش کے باوجود مکمل اتفاقِ رائے نہ ہو سکے تو پھر غالب اکثریت کی رائے کو ترجیح دی جائے گی اور کسی اقلیتی رائے کی بنا پر غالب اکثریت کی رائے کو غیر مؤثر نہیں کیا جائے گا۔"

حالانکہ اسلامی مملکت کی پارلیمان میں حزبِ اختلاف کا وجود نہیں ہوتا۔ غیر مسلم تو پارلیمان کے ممبر ہی نہیں ہو سکتے۔ مسلمانوں کا دو ایسی پارٹیوں میں تقسیم ہو جانا جن میں سے ایک پارٹی کا منصب ہی دوسری پارٹی سے برسرِ پیکار رہنا ہو، اسلام کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔ قرآن کی رُو سے پارٹیاں دنیا میں دو ہی ہیں ایک حزب اللہ اور دوسری حزب الشیطٰن، اکثریت کی رائے کا لہٰذا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن بتاتا ہے کہ

وَ اِنْ تُطِعْ ــــــــــــــــــــ (۶:۱۱۷)

"اگر تو ان لوگوں کی بات مانتا چلے جو دنیا میں اکثریت سے ہیں تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے۔ وہ (خود) ظن و تخمین کا اتباع کرتے ہیں اور محض ٹکلیں دوڑاتے ہیں (اس لئے ان کے پیچھے لگنے والے بھی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں۔"

اس شریعت بل میں شریعت سے مراد اور تشریح یوں بیان کی گئی ہے۔ شریعت سے مراد وہ احکام اسلام ہیں جو قرآن اور سنّت سے ثابت ہیں۔ تشریح ؟ شریعت کی تفسیر و تعبیر قرآن پاک اور سنّت کی تفسیر و تعبیر کے مسلّمہ قواعد کے مطابق ہوگی۔ شریعت کے چار ماخذ ہیں۔ قرآن، سنّت، اجماع اور قیاس۔"

قرآن کریم کے متعلق خدا کا ارشاد ہے کہ:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ..... (۶/۱۱۶)

ــــــ تیرے رب کی بات صدق اور عدل کے ساتھ مکمل ہو گئی اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔

اور اسی کتاب مبین میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

مَا لَكُمْ كَيْفَ ــــــــــــــ (۶۸ : ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹)

- (یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو جی میں آئے کرتے رہیں ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں) ان سے کہو کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اس قسم کے فیصلے کرتے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی ایسا نوشتۂ خداوندی ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ تم جو درس

چاہو اختیار کر لو، نتائج تمہارے حسبِ پسند نکلتے آئیں گے۔؟

• یا تم نے خدا سے اس قسم کا کوئی عہد لے رکھا ہے کہ تم زندگی کے معاملات کے متعلق جس قسم کے فیصلے تمہارا جی چاہے کرتے جاؤ، تمہیں ہر حال میں فائدہ ہی فائدہ ہوگا۔ چت بھی تمہاری ہوگی اور پٹ بھی تمہاری اور پھر خدا نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ وہ قیامت تک اپنے اس عہد کو پورا کرتا رہے گا۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ ——————————— (۲۹: ۵۱)

• ان سے کہو کہ کیا تمہارے لئے کافی نہیں کہ خدا نے میری وساطت سے تمہاری طرف اس قسم کا ضابطۂ زندگی بھیجا ہے جو لوگ اس کی صداقتوں پر ایمان لائیں گے ان کے لئے اس میں سامانِ رحمت و ربوبیت ہوگا اور شاہراہِ حیات کے ہر موڑ پر اس امر کی یاددہانی کہ انہیں کس طرف جانا چاہیئے

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا ——————————— ۴۲: ۲۱

• ان لوگوں نے زندگی کا جو راستہ اپنے لئے اختیار کر رکھا ہے اسے خدا نے مقرر نہیں کیا۔ انہوں نے اور ہستیوں (اپنے مذہبی راہنماؤں) کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے جو ان کے لئے دین (نظامِ زندگی) میں مختلف راہیں (شرعتیں) وضع کرتے رہتے ہیں۔ ایسی راہیں (شرعتیں) جن کی قوانینِ خداوندی کی رُو سے کبھی اجازت نہیں ہوتی۔ (خدا کا حکم کچھ ہوتا ہے اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی شریعت کچھ اور کہتی ہے یہ شرکِ عظیم ہے۔"

مفتیوں کے بارے میں یہ یوں وضاحت کرتا ہے۔ ۸۔مفتیوں کا تقرر۔(۱) صدر چیف جسٹس پاکستان یا چیف جسٹس وفاقی عدالت اور چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کے مشورہ سے جس طرح وہ مناسب تصور کرے۔ ایسے اور اتنے مفتیوں کا تقرر کرے گا جو عدالتِ عظمیٰ اور وفاقی شرعی عدالت کی شریعت کے احکام کی تعبیر و تشریح میں اعانت کے لئے مطلوب ہو"

ذمہ داریاں سونپنے کے سلسلہ میں قرآنِ کریم نے اصول یہ مقرر کیا ہے کہ :۔

يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ——————————— (۴: ۵۸)

• اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جو اختیارات تمہیں بطور امانت دیئے گئے ہیں انہیں ان کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہوں۔ اس "اہلیت" میں علمی اور انتظامی صلاحیتوں کے علاوہ سیرت و کردار کی پاکیزگی بنیادی شرط ہے کیونکہ قرآن کی رُو سے، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ تم میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ واجب التکریم وہ ہے جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرتا ہے جو لوگ قوانینِ خداوندی کی طرف سے غافل ہوں اور وہ اپنے جذبات و خیالات کے پیچھے لگ جائیں۔ ان کا حکم نہیں

ماناجائے گا۔"

سورۃ کہف میں ہے :-

وَلَا تُطِعْ مَنْ ---------- (۱۸:۲۸)

"تم اس کی اطاعت مت کرو جس کا دل قوانینِ خداوندی کی طرف سے غافل ہوگیا اور اس نے اپنی خواہشات کا اتباع شروع کردیا اور اس طرح کا معاملہ حد سے بڑھ گیا۔"

قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ

لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ---------- (۱۱:۴۶)

"جس کا عمل غیر صالح ہو جائے وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے۔"

لہٰذا مملکت کے افسران و ماتحت سے لے کر صدارتِ عظمیٰ تک اہلیت، صلاحیت اور تقویٰ (پاکیزگی سیرت و کردار) کی شرائط ہر ایک پر عاید ہونگی اور معاشرہ میں مدارج ذاتی جوہر اور حسنِ کردار کی رُو سے متعین کئے جائینگے۔

لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ---------- (۱۹:۴۶)

اس ۵۰۰۰ الفاظ پر مشتمل شریعت بل میں چند الفاظ طوعاً کرہاً "نظامِ تعلیم کے بارے میں لکھے گئے ہیں"

"(۴) کمیشن کے کارہائے منصبی یہ ہونگے۔

(ب) ...... تعلیم اور ذرائع ابلاغ کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے عمل کی نگرانی کرے اور عدمِ تعمیل کے معاملات وفاقی حکومت کے علم میں لائے۔"

اسلامی مملکت کا بنیادی فریضہ ہے کہ نظامِ تعلیم کو قوم کی تعمیر کے لئے بنیادی حیثیت دے۔ قوم کا مدار بڑھنے پھولنے اور پھلنے والی نسل کی صحیح تعلیم و تربیت پر ہوتا ہے۔ اس فریضہ کی رُو سے قوم کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری والدین کی بجائے وفاقی حکومت کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ اور اسلامی حکومت نونہالوں کی تعلیم کا انتظام ان کی ذہنی افتاد اور طبعی رجحان کے مطابق کرتی جائے۔

طالب علموں کو علومِ عصرِ حاضر کی تعلیم اس انداز سے دی جائے، جس میں مذہبی اور دینی نصابات میں تفریق نہ ہو۔ طالب علم اپنے تدریسی نصاب سے دیکھ سکیں کہ علم کا سرچشمہ قرآنِ کریم اس باب میں کیا راہنمائی دیتا ہے۔ ان کو جلال اور جمال کے حسین امتزاج سے روشناس کرایا جائے تاکہ وہ اپنے احساسات اور جذبات کو مستقل اقدار کے حصار میں رکھتے ہوئے قوم کی تعمیر کے لئے بروئے کار لاسکیں۔

معاشرے میں افراد کے معاشی تحفظ سے متعلق شریعت بل میں ہے :-

معاشیات کو اسلامی بنانا - (۱) مملکت اس امر کو یقینی بنانے کے لئے اقدامات کرے گی

کہ پاکستان کے معاشی نظام کی تعمیر اجتماعی عدل کے اسلامی اصولوں، اقدار اور ترجیحات کی بنیاد پر کی جائے اور دولت کمانے کے ان تمام ذرائع پر پابندی ہو جو خلافِ شریعت ہیں"۔

اسلامی مملکت میں جب نظامِ ربوبیت متشکل ہوتا ہے تو وہاں دولت کمانے کے خلافِ شریعت ذرائع کے لئے گنجائش ہی نہیں رہتی۔ یہ نظام معاشرے کے ہر فرد بلکہ سب جانداروں کے رزق اور امن کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ لیکن یہ ضمانت تبھی مشہود ہو سکتی ہے جب معاشرے کے تمام افراد اجتماعی طور پر قوانینِ خداوندی کے مطابق سرگرمِ عمل رہیں۔ یہی وہ ذریعہ ہے جس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ (۶:۵۲)

ــــــ ہم تمہارے رزق کے بھی ذمہ دار ہیں اور تمہاری اولاد کے رزق کے بھی

یہ کیسے ہو گا اور وہ کون لوگ ہیں جو ایسا کریں گے۔ قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ:-

الَّذِينَ إِنْ ــــــــــــــ (۲۲:۴۱)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ہم زمامِ اقتدار ان کے ہاتھ میں دیں گے تو یہ اقامتِ صلوٰۃ کا انتظام کریں گے۔ ایتائے زکوٰۃ کریں گے، ایسے قوانین کا نفاذ کریں گے جو قرآن کی رُو سے قابلِ قبول ہوں۔ ان قوانین و رسوم کو منسوخ کریں گے، جنہیں قرآن ناپسند کرتا ہے غرضیکہ ان کے تمام معاملات پروگرامِ خداوندی کی تکمیل کے لئے ہونگے"۔

جو حرفِ قُلِ العَفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اِس دَور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار ــــ!

فیصل آباد میں درسِ قرآن

۲۳ سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) ــــ • ــــ بروز جمعہ ۳:۳۰ بجے سہ پہر

رابطہ:- ڈاکٹر محمد حیات ملک، فون نمبر ۴۲۸۵۵

کارخانہ نٹ سازی۔ گلی نمبر ۱۳۔ محلہ فیض آباد ــــ • ــــ بروز سوموار ۴:۰۰ بجے سہ پہر

رابطہ:- مرزا محمد صدیق ــــ فون نمبر ۲۲۸۵۴

بشیر عابد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک خط ـــــ ایک وضاحت

بشیر احمد عابد صاحب کا خط بنام چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد قارئینِ طلوعِ اسلام کی دلچسپی کیلئے شامل اشاعت ہے قرآنِ کریم کے حوالہ سے اِس موضوع پر قارئین مزید تبصرہ فرمانا چاہیں تو طلوعِ اسلام کے صفحات حاضر ہیں!

جنابِ عالی! سلام ورحمت!

مذکورہ بالا موضوع کے ضمن میں چند گذارشات پیشِ خدمت ہیں۔ استدعا ہے کہ ان پر سنجیدگی سے غور فرمایا جائے۔

۱ آرڈیننس زیرِ نظر میں مجوزہ ترمیمات کے مطابق، دیت کی ادائیگی مجرم اور اس کی عاقلہ پر عائد کی گئی ہے۔ عاقلہ سے مراد، مجرم کی برادری یا عزیز و اقارب لیئے گئے ہیں۔

---

۲ جرم کی پاداش کا یہ تصور خارج از قرآن ہے۔ قرآن کریم میں کوئی قانون ایسا نہیں جس کی خلاف ورزی کی پاداش میں دوسروں کو بھی قانونی طور پر شریک ہونا پڑے۔ ہر مجرم کو اپنے کئے کی سزا خود بھگتنی ہوتی ہے

---

۳ قرآن کریم مساوات اور عدل و انصاف کا علمبردار ہے۔ ان تعلیمات کا تقاضا ہے کہ ہر مجرم کو اپنے کئے کی پوری پوری سزا ملنی چاہیئے۔ عاقلہ کا تصور ان تعلیمات کے صریحًا منافی ہے۔

---

۴ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ۔ انسان اپنے ہر عمل کا ذمہ دار خود ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ اسے ہی بھگتنا پڑتا ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا (۶ : ۱۶۵) یہ قطعی غیر فطری عمل ہوگا کہ ورزش کوئی کرے اور اس کا فائدہ کسی کو پہنچے۔ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ جو شخص سیدھی راہ پر چلتا ہے، اس کی نفع بخشیاں خود اس کی اپنی ذات کے لئے ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی قطعی غیر فطری ہوگا کہ آگ میں ہاتھ ڈالے کوئی اور جلے کوئی۔ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ جو غلط راستہ اختیار کرتا ہے اس کے نقصانات اسی کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ فطرت کا اصول ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (۱۷ : ۱۵) فطرت کے اصول نہایت محکم ہوتے ہیں اور ان کے نتائج انتہائی اٹل۔ اگر پانی کو °۱۰۰ سینٹی گریڈ پر ابلنا ہے تو اس درجہ حرارت میں ذرہ بھر کمی بیشی نہیں ہوگی۔ اسی طرح جب ایک بار کہہ دیا کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا تو پھر بہر صورت یہ کسی کو اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑے گا۔ اس کے متعلق کہا: وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ اگر کوئی شخص اپنے اعمال کے بوجھ کے نیچے بری طرح دب رہا ہو اور کسی اور کو بلائے کہ وہ اس کا کچھ بار بٹائے، تو کوئی شخص ایسا نہیں کر سکے گا، خواہ وہ اس کا کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو، (۳۵ : ۱۸) جب کیفیت یہ ہو تو عاقلہ کا تصور، بالخصوص قانونی حیثیت سے کیسے جائز قرار پا سکتا ہے؟ یہ تو قرآنِ کریم میں کھلا ہوا تضاد ہوگا۔

---

۵ اسلام دینِ فطرت ہے۔ فطرت کے معنی ہیں تخلیق! اسلام کا دینِ فطرت ہونا، یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے اصول و قوانین، انسان کی تخلیق کے اغراض و مقاصد کی بارآوری کرتے ہیں۔ انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد انسانی ذات کی نشو و نما اور اس کی تکمیل ہے۔ اس مقصد کے حصول کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ انسانی ذات کی انفرادیت کو برقرار رکھا جائے۔ یعنی ایک انسان کے جملہ اعمال کے اثرات اسی کی ذات پر مرتب ہونے چاہئیں۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۔ ہر انسان کو پیدائش کے ساتھ ہی منفرد حیثیت عطا کر دی جاتی ہے اور اس انفرادیت کو انسان نے بہر صورت برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ خدا کے حضور جب انسان سے کہا جائے گا۔ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۚ لے اپنا اعمال نامہ پڑھ! تو اس وقت اس کی برادری کا کوئی فرد اس کے اعمال میں شریک نہیں ہو سکے گا۔ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۚ اس دن صرف اس کی ذات اس کے ہر عمل کی جواب دہ

ہوگی (۱۴:۱۷) اسی لئے، سورہ انعام کی جو آیت اوپر درج کی گئی ہے۔ اس کے اگلے حصہ میں ارشاد فرمایا: وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ تمہارا سب کچھ، بشمول تمہاری عاقلہ کے، سب پیچھے رہ گئے۔ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ اور ہاں، ہمیں تو وہ بھی دکھائی نہیں دیتے جن پر تمہیں بڑا مان تھا کہ وہ ضرور تمہاری شفاعت کریں گے (۶:۹۵) انسانی ذات اور خدا کی عدالت کے اس تصوّر کے مطابق جہاں پر بھی خدا کے قوانین کی رُو سے فیصلے کئے جائیں گے وہاں عاقلہ کا تصوّر باطل قرار پائے گا۔

---

۶ عاقلہ کا تصوّر نہ صرف قرآن کریم کی مجموعی تعلیمات کے منافی ہے بلکہ خود قصاص فی القتل کے بنیادی اصولوں کے بھی خلاف جاتا ہے۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ اس اصول کے مطابق سزا صرف اسی کو ملنی چاہیئے جس کا جرم ہو (۲:۱۷۸)

---

۷ قرآن کریم کی ان تعلیمات کی روشنی میں عاقلہ کے تصوّر کو بلا دلیل قانونی حیثیت نہیں دینی چاہیئے۔ ممکن ہے میرا فہم درست نہ ہو۔ بہرحال اسلامی نظریاتی کونسل کے وسائل نہایت وسیع ہیں۔ اسے جیّد علماء کی صحبت حاصل ہے۔ میری استدعا صرف اتنی ہے کہ عاقلہ کو قانونی حیثیت دینے سے پیشتر اس کے لئے مثبت اور معقول دلائل فراہم کئے جائیں۔ قرآن کریم کے نزدیک دلائل و براہین کی صداقت کا معیار نتائج ہوتے ہیں۔

---

۸ عاقلہ کے جواز میں عموماً یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ دیت کی جو رقم اس کے ذمے واجب الادا ہوتی ہے۔ وہ مُجرم کے اعمال کا بوجھ اٹھانا نہیں بلکہ اس کی مدد کرنا ہوتا ہے۔ مجرم کی مدد کرنا — قرآن تو ایک طرف خود انسانی عقل کے بھی منافی ہے۔ بہرحال اسے اگر درست تسلیم کیا جائے تو پھر عاقلہ کی حیثیت قانونی نہیں بلکہ اخلاقی ہوگی۔ کسی حکم کی قانونی حیثیت اور اخلاقی حیثیت میں جو فرق ہوتا ہے اسے اہل عدل و انصاف بخوبی جانتے ہیں۔ قانون، پابندی کا نام ہے، جب کہ اخلاق کی حدود متعین نہیں کی جاتیں۔ ان کا تعین ہر فرد اپنی فہم و فراست کے مطابق کرتا ہے۔

---

۹ عاقلہ کی ایک وجہ جواز یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ یہ سنّتِ رسول ؐ سے ماخوذ ہے۔ قرآن کریم کی مندرجہ بالا

تعلیمات کی روشنی میں یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ نبی اکرمؐ، قرآنِ کریم کی تعلیمات کا احسن ترین پیکر تھے۔ آپؐ کا کوئی عمل یا قول قرآنِ کریم کے اصولوں کے منافی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا کوئی بات بھی جو آپؐ سے منسوب ہو اسے قرآنِ کریم کی روشنی میں پرکھ کر تسلیم کرنا چاہیئے۔ آپؐ کی سنّت کا فقط یہی ایک معیار ہے۔ باقی سب معیار باطل ہیں۔ قرآنِ کریم نے آپؐ کی سیرتِ مبارکہ کو انمول موتیوں کی طرح محفوظ کر رکھا ہے۔ اسے انسانوں کے رحم و کرم پر چھوڑا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے کہ آپؐ کی سیرت کو پوری نوعِ انسانی کے لئے اسوہ حسنہ بنانا مقصود تھا۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:- قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ۔ ان سے کہدو! اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو پھر میرا اتباع کرو..... (۳ : ۳۰) رسول اللہؐ کا اتباع کیا تھا؟ اس کا جواب بھی قرآنِ کریم نے خود دیا ہے۔ کہا:- قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ج۔ ان سے کہدو، مَیں تو صرف اور صرف (اِنَّمَا) اس وحی کا اتباع کرتا ہوں جو مجھے میرے نشوونما دینے والے کی طرف سے ملتی ہے...... (۷ : ۲۰۳)

اس کے بعد صرف اتنا جاننا باقی رہ جاتا ہے کہ حضورؐ کی طرف کیا وحی ہوتا تھا؟ قرآنِ کریم اگر اس سوال کو تشنۂ طلب چھوڑ دیتا تو آج اس ضمن میں جتنے فتنے برپا ہیں وہ تاقیامت ختم نہ ہو پاتے۔ لیکن قرآنِ کریم نے اس کا نہایت بلیغ جواب دیا ہے۔ یہ جواب روشنی کا مینار ہے۔ امّت کی جب کبھی بھی اس پر نظر پڑ گئی، منزلِ مقصود کو پالے گی۔ یہ جواب تھا ــــ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط..... (۶ : ۱۹) میری طرف تو یہ قرآن وحی ہوتا ہے۔ یہ کتابِ عظیم تمہارے لئے بھی اور تمہاری آئندہ نسلوں کے لئے بھی خطرات سے محفوظ رہنے کا واحد ذریعہ ہوگی۔ ہم حضورؐ کے مخاطبین کی نسلوں میں سے ہیں۔ قرآنِ کریم، اپنی مکمّل محفوظ، اور غیر متبدل حالت میں ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے مصائب، مشکلات، اور الجھنیں ختم ہو جائیں تو اس کا حل فقط قرآنِ کریم ہے یہی سنّت اللہ اور یہی سنّتِ رسولؐ ہے۔

---

۱۰ قصاص اور دیت سے متعلق قرآنِ کریم کے احکام نہایت واضح ہیں۔ ہماری تو آرزو ہے کہ آپ صرف انہی کو اپنی توجہ کا مرکز بنائیں اور عصرِ حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق ان کی عملی اشکال تجویز فرمائیں۔ اس ضمن میں، جتنی الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں وہ سب فقہی موشگافیوں کی بناء پر ہیں۔ پہلی موشگافی تو یہ ہے کہ ایک سیدھے سادے قتل کے قانون کو قصاص و دیّت کی تیکنیکی اصطلاح سے موسوم کر کے پیچیدہ بنا دیا۔ قرآنِ کریم کی لغت میں قصاص، جرم کی پاداش کو کہتے ہیں اور اس کا منشاء ہے کہ معاشرے میں

کوئی مجرم بھی سزا سے بچنے نہ پاتے - اور اسی میں معاشرے کی زندگی ہے۔ قتل کے جرم کے ساتھ خصوصیت سے ذکر محض قصاص کی اہمیت کو واضح کرنا مقصود تھا۔ یہ لفظ قرآنِ کریم میں جن دیگر مقامات پر استعمال ہوا ہے وہاں اس کے مذکورہ مفہوم کی تصدیق ہوجاتی ہے۔

---

۱۱ اس ضمن میں کچھ پیچیدگی دیت کی رقم نے بھی پیدا کر رکھی ہے۔ اس کی مختلف تاویلیں پیش کی جاتی ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ اس رقم سے مقتول کے لواحقین کے نقصان کی تلافی ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اس کا تعین اور ادائیگی لازمی ہے۔ قرآنِ کریم کے مطابق کسی قانون کی خلاف ورزی کا سب سے زیادہ نقصان خود انسان کی اپنی ذات کا ہوتا ہے۔ اس نقصان کی تلافی قرآنِ کریم کا اوّلین مقصد ہے۔ قرآنِ کریم نے جرائم کے لئے جو مختلف سزائیں تجویز کی ہیں ان سے اسی کا حصول مقصود ہے۔ ان سزاؤں کا دوسرا اہم اور بنیادی مقصد معاشرے سے جرائم کا قلع قمع کرنا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر سب مقاصد ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چوری کے جرم میں مال کی تلافی اور زناء کے جرم میں عزت کی تلافی کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ قتل کے جرم دیت کی ادائیگی لازمی نہیں بلکہ اختیاری ہے (OPTIONAL) سزا کے لئے دیگر آپشن بھی موجود ہیں۔ اس جرم کی پاداش میں جو کم سے کم تادیب کی جاسکتی ہے وہ دو ماہ کے روزے ہیں۔ اگر قرآنِ کریم کے مندرجہ بالا مقاصد کو مدّنظر رکھا جائے تو اسے تسلیم کرنے میں کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی۔

---

۱۲ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ قومیں اس لئے ذلیل و خوار ہوتی ہیں کہ وہ قوانینِ خداوندی کو نظر انداز کرکے اپنے جذبات کی اتباع شروع کردیتی ہیں۔ حضرت سلیمٰن علیہ السّلام اور ان کی قوم کا حوالہ دیتے ہوئے کہا وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۔" حضرت سلیمان علیہ السلام خدا کے ایک نہایت برگزیدہ نبی تھے اور ہر نبی کی طرح آپ صرف اور صرف خدا کے احکام کی تعمیل کرتے او[illegible] تھے۔ آپؑ کے بعد آپؑ کی قوم یا متبعین میں سے مفاد پرست عناصر نے آپؑ کی ذاتِ مطہرہ [illegible] طرح طرح کے افسانے منسوب کردیئے اور لوگوں کو ان ہی کے مطابق عمل کرنے کو کہنے [illegible] لئے کہ اس طرح سے ان کی مفاد کوشیوں اور عیش سامانیوں کو تحفظ حاصل ہوجاتا تھا۔ قرآنِ کریم یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ ان کی کامیابی کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ وہ کتاب اللہ کو عامۃ النّاس کی نظروں سے اوجھل رکھتے تھے۔

اور خود ان سے یوں لاتعلق ہو جاتے تھے جیسے جانتے ہی نہ ہوں۔

---

۱۳ آج گو ہماری حالت بھی کچھ ویسی ہی ہے۔ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوم پر ہمیں ایک فوقیت حاصل ہے اور وہ یہ کہ کتاب اللہ اپنی صحیح اور منزّہ حالت میں ہمارے سامنے ہے۔ ہم جب بھی چاہیں افسانوی دنیا سے نکل سکتے ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل سے، میری بس اتنی استدعا ہے کہ خدارا! اس قوم کو حقائق کی دنیا میں لے آئیے!!

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

ضروری باتیں

اندرونِ ملک مجلہ طلوعِ اسلام کا بدل اشتراک

۱ نقد، بذریعہ منی آرڈر، بینک ڈرافٹ یا مقامی چیک ---- 60.00 روپے

۲ لاہور سے باہر کے چیک / 60 + 20 روپے بینک چارجز ---- 80.00 روپے

۳ بذریعہ وی۔پی / 60 + 13 روپے ---- 73.00 روپے

○ ہم ہزار چاہتے رہے کہ طلوعِ اسلام کی قیمت اور ضخامت میں کوئی تبدیلی نہ آئے لیکن
ہو غم ہی جانگداز تو غم خوار کیا کرے

○ ملک میں عام گرانی اس تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ موجودہ صورت میں آمد و خرچ کا توازن برقرار رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ اس مجبوری کے پیشِ نظر قیمت کو برقرار رکھتے ہوئے رسالہ کی ضخامت حسبِ سابق ۶۴ صفحات کر دی گئی ہے۔ قارئین نوٹ فرمالیں۔

ناظمِ ادارہ

قندِ مکرر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلمیٰ لطیف
(فشریز ڈیپارٹمنٹ)

جہنم میں کیا ہوگا؟

اب جب کہ سائنسی ایجادات و انکشافات نے دقیق اور لاینحل مسائل کا سمجھنا آسان بنا دیا ہے۔ میں اپنے اس مقالے میں دین کی باتوں کو سائنسی آلات کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کروں گی۔ اس کے لئے دُور جانے کی ضرورت نہیں، ہر گھر میں موجود ریڈیو ہی کو لے لیجئے۔ ریڈیو کے متعلق ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا میں شب و روز ہزاروں ریڈیو اسٹیشن اپنی آواز نشر کرتے ہیں۔ یہ تمام آوازیں برقی لہروں کی شکل میں ہمارے کمرے میں بیک وقت موجود رہتی ہیں، لیکن ہمارا ریڈیو ان ہزاروں آوازوں میں سے وہی ایک آواز سناتا ہے جس کے لئے سوئی گھما کر اُسے (TUNE) ٹیون کر دیا جائے۔ اسے اچھی طرح ذہن میں رکھیئے کہ ٹیوننگ کے اس عمل میں ہم باہر سے آنے والی لہروں کی نہ تو سمت تبدیل کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں دبا سکتے ہیں۔ ہم کرتے یہ ہیں کہ اپنے ریڈیو سیٹ کو ان میں سے مطلوبہ لہر کے ہم آہنگ کر دیتے ہیں، اور اس طرح غیر مطلوبہ لہریں ہمارے سیٹ پر اثر انداز نہیں ہو پاتیں۔ دراصل ہمارے ریڈیو سیٹ کے اندر ایک ری جیکٹر (REJECTOR) یعنی ردّ کرنے والا اور دوسرا ایکسیپٹر (ACCEPTOR) یعنی قبول کرنے والا سرکٹ ہوتا ہے۔ ہم ٹیوننگ (TUNING) کے عمل میں "ردّ" و "قبول" کا امتزاج اس طرح متعین کرتے ہیں کہ مطلوبہ اسٹیشن تو ہمیں سنائی دے لیکن غیر مطلوبہ اسٹیشن خواہ وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو اس میں خلل انداز نہ ہو سکے۔ یہ کچھ کرنے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ہمارا ریڈیو فلاں اسٹیشن کے ساتھ (TUNED) ہے۔ یا وہ اسٹیشن ہمارے ریڈیو کے ساتھ (TUNED) ہے۔ اگر کسی وجہ سے ری جیکٹر سرکٹ ماند پڑ جائے تو ایکسیپٹر سرکٹ اپنی تمام تر صحت کے باوجود بے کار ہو جاتا ہے۔ ایسا ریڈیو کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مومن یعنی ایمان والا، اسے کہیں گے جس کا قلب و ذہن اس طرح ٹیونڈ (TUNED) ہو کہ اس میں حکمِ خداوندی کے سوا کوئی دوسری بات قبول کرنے کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ دین کی زبان میں انسانی ذہن کا ری جیکٹر سرکٹ "لَا اِلٰہ" اور ایکسیپٹر سرکٹ "اِلَّا اللہ" کے

اصول پر کام کرے تو اسے مومن کہیں گے۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لانے کا دعوے تو کرتے ہیں لیکن لا الٰہ کو چنداں اہمیت نہیں دیتے۔ اس سے ہوتا یہ ہے کہ رجیکٹر سرکٹ کی عدم موجودگی میں ایکسیپٹر سرکٹ بھی کام نہیں کرتا۔ "ٹیونڈ ذہن" سے میری مراد ایسا ذہن ہے جو ہر سمت سے کٹ کر اس ایک سمت کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے اور اس کی تمام تر توجہات کا مرکز وہی اور صرف وہی ذات ہو۔ یہی بات ہمارے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ایمان کی وضاحت کرتے ہوئے آج سے ہزاروں سال پہلے کہی تھی کہ:-

انّی وجهت وجهی للذی فطرت السمٰوٰتِ والارض حنیفا

اور یہی کچھ تو تھا جو مسلمانوں سے کہا گیا تھا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا "رُخ" مرکزِ محسوس کعبہ کی طرف رکھو۔ لہٰذا مختلف اطراف سے کٹ کر ایک رُخ کا تعین اور پھر اپنے آپ کو اس رُخ سے ہم آہنگ کر لینے کا نام ہی تو ایمان ہے اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو پھر کہا یہ جاتا ہے "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ"۔ یعنی وہ محدود سے کٹ کر لامحدود کے ساتھ (IN-TUNE) ہو جاتے ہیں اور لامحدود ان کے ساتھ (TUNE) ہو جاتا ہے۔

یہاں میں پھر واضح کر دوں کہ لامحدود ٹیون (TUNE) ہو جانے کی شکل اس طرح ہے جس طرح ایک ریڈیو اسٹیشن اپنی تمام تر خود مختاری کے باوجود ہمارے ریڈیو سیٹ کے ساتھ ٹیون ہو جاتا ہے اور اس وقت تک (TUNE) رہتا ہے جب تک ہمارا ریڈیو سیٹ اس اسٹیشن کے ساتھ IN TUNE رہے ——— ریڈیو سیٹ کے اس عمل کو دیکھتے ہوئے اپنے آپ پر نگاہ ڈالیں تو ہماری حالت اس مِس ٹیونڈ (MIS-TUNED) نسل کی ہے جس کا کوئی سرکٹ بھی صحیح کام نہیں کر رہا۔

اسی طرح سائنسی آلات میں، ٹیلی ویژن ایک ایسا آلہ ہے جو نہ صرف ہمارے اکثر گھروں میں موجود ہے بلکہ مقصدیت کے اعتبار سے یہ آلہ انسانی زندگی کے قریب تر ہے کیونکہ مقصد دونوں کا کسی دوسری ذات کی تصویر کو اپنی ذات میں منعکس کرنا ہے ——— ٹیلی ویژن کا براہِ راست تعلق چونکہ تصویر کے ساتھ ہے اس لئے ضروری ہے کہ تصویر کی ساخت کے متعلق کچھ عرض کرتی چلوں۔

تصویر پر نگاہ ڈالئے تو رنگوں کے امتزاج کے سوا کوئی دوسری چیز نظر نہیں آتی لیکن اگر آپ اخبار میں چھپی ہوئی کسی تصویر کو بنظرِ غائر دیکھیں تو یہ حقیقت آپ پر منکشف ہو گی کہ جسے آپ ایک مربوط چیز سمجھتے ہیں وہ دراصل لاکھوں رنگدار نقطوں کا مجموعہ ہے اور ان لاکھوں رنگدار نقاط میں سے ہر نقطہ روشنی کی ایک خاص مقدار منعکس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ٹیلی ویژن اسٹیشن کا نظام کار، ایک تصویر کو پانچ لاکھ بیس ہزار نقاط میں تقسیم کرتا ہے اور پھر ان نقاط سے منعکس شدہ روشنی کو الیکٹرومیگنیٹک ویوز میں تبدیل کر کے اٹھہتر کروڑ نقاط فی منٹ کی رفتار سے فضا میں بکھیرتا چلا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ فضائے لبسیط میں منتشر، روشنی کے ان ارلبوں، کروڑوں نقاط میں سے ہر نقطے کی اپنی جداگانہ حیثیت اور الگ قدر ہے جو ٹرانسمیٹر سے ٹیلی ویژن تک جوں کی توں قائم رہتی ہے۔ ہمارے ٹیلی ویژن سیٹ کا کام یہ ہے کہ ان منتشر نقاط کو فضا میں سے دلوچ کر اپنی سکرین پر اس طرح ترتیب دے جس طرح ایک ٹائپ رائٹر ایک ایک حرف ٹائپ کرتے ہوئے پہلے ایک سطر مرتب کرتا ہے اور پھر سطریں بناتے ہوئے صفحہ مکمل کرتا ہے۔ رفتار کے لحاظ سے ہمارا ٹیلی ویژن اس ٹائپ رائٹر کی مانند ہے جو ایک منٹ میں اٹھہتر (۷۸) کروڑ حروف پر مشتمل، تین سو ساڑھے بارہ سطروں والے تین ہزار صفحات ٹائپ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس پر طرّہ یہ کہ چھ سات گھنٹے روزانہ ڈیوٹی دینے والے اس ٹائپسٹ کو ایک غلطی کی بھی اجازت نہیں۔ اور آپ کو معلوم ہے؟ یہ ننھا سا ٹائپسٹ روزانہ کتنے حروف ٹائپ کرتا ہے؟ —— اوسطاً دو کھرب۔ اسی ارب، اسی کروڑ۔ یہی کوئی تینتیس کروڑ سطریں —— دس لاکھ اسی ہزار صفحے۔ یعنی پانچ سو صفحوں والی دو ہزار ایک سو ساٹھ کتابیں۔ اور وہ بھی صرف چھ گھنٹوں میں۔ ہے کوئی اتنا تیز ٹائپسٹ آپ کی نظر میں۔؟

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ ہمارا ٹیلی ویژن سیٹ صرف ایک دن کی نشریات میں جو کچھ ہمارے حضور پیش کرتا ہے اسے اگر کاغذ پر منتقل کیا جائے تو سو تصاویر کے دس ہزار آٹھ سو البم درکار ہوں گے یا یوں سمجھئے کہ چوبیس انچ سکرین پر جو تصاویر آپ ایک ٹرانسمیشن میں دیکھتے ہیں اگر انہیں ایک لائن میں پھیلا دیا جائے تو آپ کو ان جملہ تصاویر کو ایک نظر دیکھنے کے لئے ۲۵۵ میل کی مسافت طے کرنا ہوگی اور اگر آپ کبھی ان تصاویر کو نقطہ بہ نقطہ دیکھنے کی ٹھان بیٹھیں تو آپ کو زمین کے گرد چار چکر لگانا ہوں گے۔ کیونکہ ان نقاط کو ایک ہی لائن میں باہم جوڑ دینے سے ایک لاکھ چھ ہزار پانچ سو میل لمبی لکیر بن جائے گی۔

مجھے معلوم نہیں کہ ایسا کچھ کرنے کے لئے ایک مصوّر کو کتنی عمر درکار ہوگی لیکن یہ میں بتا سکتی ہوں کہ ٹیلی ویژن سیٹ یہ کچھ صرف چھ گھنٹے میں کرتا ہے۔

یہ ہے ہمارا ٹیلی ویژن سیٹ اور اس کی کارکردگی، اور میں کہہ یہ رہی تھی کہ ٹیلی ویژن اسٹیشن سے آپ کے سیٹ کو حکم ملتا ہے کہ دیکھو ہم، علاوہ آواز کے، روزانہ تقریباً تین کھرب تصویری نقاط نشر کریں گے، تمہیں ان نقاط کو اپنی سکرین پر ترتیب دے کر ہماری مشیئت (پروگرام) کے مطابق ناظرین کو یکے بعد دیگرے اوسطاً گیارہ لاکھ تصاویر روزانہ دکھانی ہوں گی۔ تمہاری کارکردگی کی رفتار یوں ہوگی کہ تم دو لاکھ ساٹھ ہزار نقطوں سے سیکنڈ کے پچاسویں حصے میں تصویر کا ایک فریم مکمل کرو گے۔ تصویر کا یہ فریم تین سو ساڑھے بارہ لائنوں پر مشتمل ہوگا۔ ایک

لائن بنانے کے بعد دوسری لائن بنانے کے لئے ہاتھ واپس کھینچو تو سکرین کی بتّی گُل کر دینا تاکہ تمہارا یہ عمل ناظرین کی طبع نازاں پر گراں نہ گزرے۔ اور یاد رکھو! ایسا نہ ہو کہ کوئی نقطہ سکرین پر ثبت ہونے سے رہ جائے یا کسی لائن میں کوئی نقطہ غلط جگہ پر چسپاں ہو جائے۔ تمہیں نقطہ بہ نقطہ ہمارے ساتھ ہم آہنگ رہنا ہوگا۔ ورنہ ہم تمہاری رسوائی کے ذمّہ دار نہیں ہونگے۔ ٹیلی ویژن سیٹ یہ جلالی حکم سُن کر گڑگڑا اٹھا۔ عرض کیا حضور! میری اکیلی جان اجنبی ماحول ــــ شور و شغب کے طوفان ــــ اور اس پہ اتنا بڑا پروگرام اور یہ تیز رفتاری ــــ بھلا بتائیے! میں کس طرح ثابت قدم رہ سکوں گا؟ ــــ جواب ملا۔ مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں ــــ ہمارے یہاں سے تمہاری طرف راہنمائی آتی رہے گی۔ اگر تم نے اس راہنمائی کو قبول کیا اور اپنے عمل کو اس کے تابع رکھا تو تم ہر قسم کے خوف وہراس سے محفوظ رہو گے۔ ٹیلی ویژن کی اصطلاح میں اس راہنمائی کو سینکرونائزنگ پلزز کہتے ہیں ــــ ان راہنما اشارات کی مشہود صورت نماز باجماعت کی سی ہے۔ جس میں امام ہر تبدیلیٔ حرکت پر ملبند آواز میں تکبیر کہتا ہے اور اس تکبیر کی بدولت پوری کی پوری جماعت امام کے ساتھ ہم آہنگ رہتی ہے۔

ٹیلی ویژن سیٹ کو یہ راہنمائی ایک پلز کی شکل میں ملتی ہے اور اس پلز کی پذیرائی کے لئے ایک خودکار سرکٹ ٹیلی ویژن سیٹ کے اندر مخصوص ہوتا ہے ــــ جونہی کوئی ٹیلی ویژن سیٹ اس راہنمائی سے رُوگردانی کرتا ہے اس کی سکرین پر کسی قابلِ فہم تصویر کے بجائے آڑی ترچھی لکیریں نمودار ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ وہی سیٹ تو ہے جو کچھ ہی دیر پہلے ہمارا منظورِ نظر تھا ــــ جس کی کارکردگی پر ہمیں ناز تھا ــــ یہ ایک خودمختار آلہ ہے جو اپنی رفتار خود متعین کرتا ہے بیرونی مداخلت اور داخلی خلفشار سے محفوظ رہنے کا ایک خودمختار نظام اس میں موجود ہے ــــ بجلی اسے میسّر ہے ــــ سگنل اس تک پہنچ رہا ہے پھر اس کا عمل پیہم کارآمد نتیجہ کیوں پیدا نہیں کر رہا؟

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ ٹیلی ویژن اسٹیشن سے نشر کردہ راہنمائی سے سرمو انحراف نے اس سیٹ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے؟ ــــ کہاں یہ پورے گھر کا منظورِ نظر تھا اور کہاں اب ایک مکینک گرم قاویے سے اس کے جسم کو داغ رہا ہے ــــ پوچھتے ہیں جہنم میں کیا ہوگا۔؟

یہ داستان تھی اس بے جان آلے کی جو اپنی تمام تر خودکفالت کے باوجود خارجی راہنمائی کے بغیر ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں چل سکتا۔ لیکن ہم ہیں کہ وحئ خداوندی کو بالائے طاق رکھ کر ملّتِ اسلامیہ کی سکرین پر انسانیت کی تصویر دیکھنے کے انتظار میں ہیں۔ حالانکہ ان بے جان آلات کا عملِ پیہم پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ بطور مسلمان اگر ہمیں کامیاب زندگی گذارنی ہے تو ہمیں اپنے قلب و ذہن کو مشیتِ ایزدی سے ہم آہنگ اور قوانینِ خداوندی کے تابع رکھنا ہوگا۔ ورنہ ہم نہ اِس دنیا میں عزت کی زندگی گذار سکیں گے نہ آخرت

میں جہنم کے گرم شعلوں سے بچ سکیں گے کہ مس ٹیونڈ (MIS-TUNED) ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی طرح وحیٔ خداوندی سے رُوگردانی کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔

طلوعِ اسلام کنونیشن ۱۹۹۱ء

طلوعِ اسلام کنونیشن ۱۹۹۱ء بحمدللہ ۲۱۔ لغائت ۲۲۔ فروری ۱۹۹۱ء منعقد ہونا قرار پائی ہے۔ وابستگانِ فکرِ قرآنی سے درخواست ہے کہ وہ پورے جوش و جذبے کے ساتھ کنونیشن میں شرکت فرمائیں اور اِدارہ کو پیشگی اطلاع دے کر اپنے ساتھ جس قدر مہمان لا سکیں، لائیں!

کنوینشن ۲۵۔ بی گلبرگ ۲ لاہور ۱۱ اور اس سے متصل جگہ پر ہوگی۔

پروگرام ۲۱۔ فروری صبح ۱۰ بجے سے شروع ہوکر اگلے روز ۲۲۔ فروری نمازِ جمعہ تک جاری رہیں گے۔

نژادِ نَو میں ملّی شعور بیدار کرنے کے لئے **اِنعامی مقابلہ**

بعنوان :-

"میرے تصوّر کا پاکستان"

بھی پروگرام میں شامل کیا گیا ہے ۔۔۔ تفصیلی معلومات کے لئے فروری ۱۹۹۱ء کا شمارہ ملاحظہ فرمائیے!!

عبیدالرحمٰن ارائیں
(صدر، کنونیشن کمیٹی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد عُمر دراز

مملکتوں کے بقاء فروغ کا ابدی اصول

اللہ تعالےٰ نے بعثتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت یہ بتائی ہے :۔

...... وَ یَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ كَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ ؕ.... (۷/۱۵۷)

" اور وہ ان بوجھوں کو اتار دے گا جن کے نیچے نوعِ انسانی دبی ہوئی چلی آ رہی تھی اور ان زنجیروں کو توڑ ڈالے گا جن میں وہ جکڑی ہوئی تھی۔

اور آپ کی نبوت پر ایمان لانے اور آپ کی تعلیم کے مطابق اعمالِ صالحہ سے کیا ملے گا ؟

" استخلاف فی الارض یعنی ــــــــ سرفرازی و حکمرانی "

یہ خدائے جلیل کے اس وعدہ کی تفسیر ہے کہ :۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ.... ۵ (۲۴/۵۵)

اور امن و سکون اور خوشحالی !

وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ؕ..... ۵ (۲۴/۵۵)

اس قسم کا امن و سکون اور اس قسم کی بے خوفی کا عالم، کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں ایسا نظام قائم کروں گا جس میں حالت یہ ہوگی کہ یمن کی ایک عورت تن تنہا صحراؤں اور بیابانوں سے سفر کرتی ہوئی شام تک چلی جائے گی اور اسے کسی قسم کا خطرہ نہ ہوگا ــــــــ اور آپؐ نے ایسا کر کے دکھا دیا۔

اس قسم کا خوف و حزن سے پاک ماحول اور بنیادی ضروریاتِ زندگی کی اس قسم کی فراوانی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

" جس بستی میں کسی ایک شخص نے صبح یوں کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا۔ اس بستی سے خدا کی حفاظت کا ذمہ اٹھ گیا "

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد کے پیشِ نظر سربراہِ مملکتِ اسلامی کی ذمہ داری کا یہ احساس تھا جسے حضرت عمرؓ نے ان الفاظ میں دہرایا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا ٥ (۱۱ : ۶)

اس لئے :-

" اگر دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مرگیا تو خدا کی قسم عمر سے اس کی بھی باز پرس ہوگی "

جب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق نظامِ مملکت (الدین) کا قیام عمل میں آتا ہے تو اس کے ثمرات سے جو جنت وجود میں آتی ہے اُسے دیکھ کر دنیا کی ہر قوم اس نظام کیلئے چشم براہ ہوتی ہے اور اسلامی مملکت کی سرحدیں پھیلتی ہی چلی جاتی ہیں ۔ آپ غور فرمائیں کہ نبی اکرمؐ کے عہدِ ہمایوں میں اسلامی مملکت کا رقبہ دس لاکھ مربع میل تھا اور اس کے بعد خلفائے راشدینؓ بالخصوص حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اس کی سرحدیں بائیس لاکھ مربع میل تک پھیل گئی تھیں ۔ یہ ہے اصول، مملکت کی بقاء اور فروغ کا ۔ یعنی :-

" اندرونی خوشحالی اور امن وسکون سے مملکت کی سرحدیں باہر کی طرف پھیلتی اور وسیع ہوتی چلی جاتی ہیں ۔ جبکہ مملکت کی حدود میں امن وسکون کے فقدان اور حفاظتِ مال وجان کی طرف سے عدم اطمینان اور معاشی بدحالی سے اس کی سرحدیں اندر کی طرف سکڑتی ہیں اور بالآخر اس کا نام ونشان تک دنیا کے نقشہ پر قائم نہیں رہتا "

اور یاد رکھئے امن وسکون اور معاشی خوشحالی ممکن نہیں اس نظام کے بغیر، جس کے متعلق خالقِ کائنات نے فرمایا ہے :-

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (۵/۳)

یعنی قرآن کریم کا عطا فرمودہ نظامِ مملکت

ملک حنیف وجدانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذشتہ سے پیوستہ

سیاسی پارٹیاں

سیاسی پارٹیوں کے وجود کو خلافِ قرآن قرار دینے کے لئے راولپنڈی سے جناب عبدالرزّاق صاحب کی درخواست وفاقی شرعی عدالت میں ابھی تک زیرِ سماعت ہے۔ طلوعِ اسلام نے اپنی اکتوبر ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں جناب عادل صاحب کے ۲۱ سوالات جو انہوں نے وفاقی شرعی عدالت کے سامنے پیش کئے تھے، شائع کرتے ہوئے قارئینِ طلوعِ اسلام کو دعوتِ فکر دی تھی جس کے جواب میں مری سے ملک حنیف وجدانی صاحب سے جوابات موصول ہوئے ہیں، جو دلچسپی رکھنے والے حضرات کے استفادہ کے لئے شاملِ اشاعت ہیں۔

اسلامی ریاست چلانے والوں کے علم و عمل کے حوالہ سے تاریخ اسلام کا جائزہ:۔

حضرت عثمانؓ

"آنحضرت صلعم کے زمانہ میں کاتبِ وحی اور حضرت عمرؓ اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں معتمد اور امین رہے اور لوگ بڑے بڑے امور میں ان میں سے مشورہ لیتے ہیں۔" (تاریخ الامت جلد دوم ص۱۵۲۔ ۱۵۳)

کاتبِ وحی کا علم کسی سے پوشیدہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت علیؓ

"آنحضرت صلعم کو جس وقت نبوت عطا ہوئی، اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ لڑکوں میں سب سے پہلے یہی ایمان لائے۔" (تاریخ الامت جلد دوم ص۱۹۳)

"رسول اللہ صلعم کے اکثر عہد نامے اور خطوط یہی لکھتے تھے۔" (ایضاً ص۱۹۴)

اس سے ان کے علم و عمل کی شہادت بڑی قوی ہوجاتی ہے۔

سوال کی نوعیت کے لحاظ سے ہم نے جواب کو علم کے سراغ اور عمل کے تعلق کے ساتھ پیوست کیا ہے۔ ان کی خلافت، فتوحات اور اوّلیات کی طوالت میں جانے سے سوال کی رُو سے دُوری ہوجانے

کا خطرہ ہے اور خواہ مخواہ کی طوالت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

اس پر اتنا اضافہ کر دینا اہم ہے کہ یہ خلفائے امت حضورؐ کے زیرِ تربیت رہے اور ذہنِ رسالت سے امورِ مملکت کی خوشہ چینی کا عملی درس لیا اور پھر اس کو اپنے زمانہ خلافت میں پوری بصیرت سے استعمال کیا۔ یہ خاص الخاص اعزاز عام حکمرانوں کے نصیب میں نہیں آسکا۔ چاہے مسلمان حکمران ہوں یا غیر مسلم۔

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست - تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اب ہم سیاسی اختلاف کی اس پارٹی پوزیشن کی طرف آتے ہیں جو دینِ اسلام میں گروہ (شِیَعًا) بننے کا رجحان رکھتا ہے اور ایک مملکت کے اندر متوازی قانون اور متوازی فیصلے کرانے کا خواہشمند ہے۔ اس بارے میں اسلاف کے بھی کچھ واقعات سامنے لائے جاتے ہیں۔

"یہ متعین نہ تھا کہ خلیفہ کے انتخاب کا حق کن لوگوں کو حاصل ہے ورنہ حضرت علی اور امیر معاویہ میں نزاع واقع نہ ہوتی کیونکہ حضرت علی سمجھتے تھے کہ حقِ انتخاب صرف اہلِ مدینہ کو حاصل ہے۔ انہوں نے جب کسی کو منتخب کر لیا تو بیعت خلافت مکمل ہو گئی۔ اہلِ شام کا خیال تھا کہ جب تک تمام امراء اور دیار و امصار کے اعیان و روساء بیعت نہ کر لیں اس وقت تک خلافت مسلم نہیں ہو سکتی۔"

(تاریخ الامت جلد دوم صفحہ ۲۵۹ - ۲۵۸)

تاریخ میں یہ پہلا جمہوری بیعت کا اختلاف ملتا ہے کیونکہ سرزمین عرب میں قبائلی سرداری کے مزاج سے ہٹ کر متقیانہ انداز کا یہ منفرد فیصلہ ہوا تھا۔ جس میں ایک گونہ جمہوری روح بھی کارفرما تھی۔

امیر معاویہؓ

۲۵ ربیع الاوّل ۴۱ھ کو خلیفہ بنے اور ان کی بیعت ہوئی۔ اہلِ شام نے خوشی سے بیعت کی اور اہلِ عراق نے مغلوب ہو کر خلافت کو تسلیم کر لیا۔ اس وقت امت میں تین فرقے بن چکے تھے۔ "شیعہ بنی امیہ، شیعہ علی، خوارج"۔

(تاریخ الامت جلد سوم ص ۱۳)

یزید کی خلافت میں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو واقعہ کربلا ہوا۔ جس سے فرقہ بندی میں مزید اضافہ ہوا۔

عبداللہ بن زبیر "(اہل بصرہ۔ کوفہ) دونوں مقامات کے باشندوں نے اپنے اپنے وفد بھیج کر

وفود بھیج کر عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی خلافت کو تسلیم کرلیا اہلِ مصر نے بھی انہیں کے ہاتھ پر بیعت کی. اب سوائے اہلِ شام کے جملہ عالم اسلامی ان کی خلافت پر متفق ہوگیا۔" (ایضاً صہ ۶۵)

یہاں اہلِ شام کا اختلاف محلِ نظر رہنا چاہیئے؛ جنہوں نے ازخود سب سے پہلے امیر معاویہؓ کی بیعت کرلی تھی۔

خوارج

اب ہم یہاں خوارج کی واقعاتی تصویر سامنے لاتے ہیں۔

"مسلمانوں میں ایک نیا تشدد پسند گروہ خوارج کے نام سے پیدا ہوگیا۔ یہ بدوی عربوں کا وہ گروہ تھا جس نے پہلے تو حضرت علی کے ساتھ امیر معاویہ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور پھر عمرو بن العاص کی سازش کا شکار ہوکر حضرت علی کو جیتی ہوئی جنگ روکنے پر مجبور کردیا۔ پھر ثالثی کے مسئلے پر حضرت علی سے باغی ہوگیا۔ حضرت علی اور امیر معاویہ دونوں کو خارج از اسلام کافر اور گناہ گار ٹھہرایا۔"

اقبال۔ فکر اسلامی کی تشکیل جدید۔ صہ ۲۲)

خوارج کے اعتقادات

۱۔ "خوارج مسلمانوں کا پہلا گروہ ہے۔ جس نے ایمان اور اسلام کی تعریف اور تشریح کرنا شروع کی۔ ایمان اور عمل کے باہمی رشتے کو متعین کرنا چاہا۔ انہوں نے سوالات کئے کہ کیا ایک مسلمان گناہ کبیرہ کرنے کے بعد بھی مسلمان باقی رہ سکتا ہے؟ مسلمان کون ہے؟ مومن کون ہے؟ اسلام اور ایمان میں کیا فرق ہے؟ کون جنت میں اور کون جہنم میں جائے گا۔" (صہ ۲۲)

۲۔ "وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب مسلمان کو کافر کہتے اور واجب القتل سمجھتے تھے۔"

(ایضاً صہ ۲۲)

اس کے پس منظر میں مسلمانوں میں ایک اور فرقہ "مرجئہ" پیدا ہوا۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ "جو شخص بھی کلمہ پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان کہے وہ اُمتِ مسلمہ کا فرد ہے"

(ایضاً صہ ۲۳)

اب اس کا ردِ عمل ملاحظہ ہو۔

"انسانی تاریخ کا المیہ یہ رہا ہے کہ اکثر منفی پہلو، مثبت پہلوؤں پر غالب آ جاتے ہیں۔ مرجیہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ جلد ہی مسلمانوں کا یہ پہلا مدرسہ فکر عوام کی اخلاقی آزادیوں یا بے راہ روی کے لئے جواز فراہم کرنے لگا۔ خصوصاً بنی امیہ نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔" (ص ۲۴)

جب مسلمانوں کی قوت احتساب اور شعور تنقید جاتا رہا تو

"بنوامیہ کی مطلق العنان ملوکیت سے ایک طرح کا سمجھوتہ کرلیا۔ اس طرح عملی طور اسلام میں مذہب اور ریاست دو الگ الگ ادارے ہوگئے۔ اب علماء کا کام علومِ دینیہ کی ترویج و اشاعت ہوگیا اور بنوامیہ سیاست دحکومت کے مختارِ کُل ہوگئے۔ جن کی اطاعت مذہبی بنیادوں پر تسلیم کرلی گئی۔" (ص ۲۵)

"مذہبی قیادت اور بنوامیہ کی حکومت میں وہی رشتہ قائم ہوگیا تھا جو آجکے یورپ میں چرچ اور سیکولر اسٹیٹ میں ہے۔" (ص ۲۵)

یوں فرقہ بندی کی ایک ایسی رَو چل پڑی جس کی نظیر پہلے کبھی سامنے نہ آئی تھی۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲ھ مروان کے قتل پر بنی اُمیہ کا خاتمہ ہوا۔

ملوکیت کے دَور میں فقہی مسالک سامنے آتے ہیں۔ جو یہ ہیں۔

۱۔ امام ابوحنیفہ بانی فقہ حنفی۔ وفات ۱۵۰ھ

۲۔ امام مالک، بانی فقہ مالکی۔ وفات ۱۷۹ھ

۳۔ امام شافعی، بانی فقہ شافعی۔ وفات ۲۰۴ھ

۴۔ امام احمد بن حنبل، بانی فقہ حنبلی، وفات ۲۴۱ھ۔

یہ چار اہل سنّت سے تعلق رکھتے ہیں جب کہ اہل شیعہ سے،

۱۔ امام زید بن علی بن حسینؓ، متوفی ۱۲۲ھ، بانی زیدیہ۔

۲۔ امام جعفر الصادق، متوفی ۱۵۱ھ، بانی فقہ جعفریہ۔

یعنی تاریخی اعتبار سے خوارج اور شیعہ کے فرقے اب باقی نہ تھے۔ اب فقہ کے لحاظ سے ملوکیت نے اپنے ماتحت بانیانِ فقہ سے استفادہ کرلیا۔ یہ رَو ۹۰ھ سے شروع ہوئی اور ۲۴۱ھ تک جاری رہی۔ یعنی ۱۵۰ سال کا عرصہ امت کے اندر فرقہ بندی کو مستحکم کرنے میں صرف ہوگیا اور آنے

والے سالوں اور زمانوں میں یہی چھاپ زیادہ مضبوط اور اس کی گرفت اور سخت ہوتی گئی۔ ایک وقت آیا کہ یہ فقہ شریعت کا درجہ پا گئی اور اس میں اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا اور اس بند دروازے کو کھولنے کے لئے حدیث کا سہارا لینا شروع کیا گیا اور یوں احادیث جمع کرنے کا دور آیا

اب آپ جامعین حدیث کی کوششوں کا ریکارڈ ملاحظہ فرمائیں۔

١۔ امام بخاری	صحیح بخاری	٦۔ لاکھ احادیث سے ٧ ہزار کا انتخاب۔ وفات ٢٥٦ھ
٢۔ امام ابن ماجہ	سنن ابن ماجہ	وفات ٢٧٣ھ
٣۔ امام مسلم	صحیح مسلم	وفات ٢٦١ھ
٤۔ امام ابوداؤد	سنن ابی داؤد	وفات ٢٧٥ھ
٥۔ امام ترمذی	جامع ترمذی	وفات ٢٧٩ھ
٦۔ امام نسائی	سنن نسائی	وفات ٣٠٢ھ

فقہ پر جمود کو حدیث نے توڑا لیکن جامعین حدیث کی کوشش کے بعد یہ سمجھ لیا گیا کہ قرآن، حدیث اور فقہ کے بعد شریعت مکمل ہو گئی ہے۔ اب اجتہاد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن سوچ کا یہ دور باقی نہ رہا اور اجتہاد کرنے والے پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ یعنی اجتہاد کا دروازہ کھول دیا گیا۔

١۔ امام ابن تیمیہ، متوفی ٧٢٨ھ

٢۔ امام شاطبی، متوفی ٧٩٠ھ۔

اگر اس وقت اجتہاد کا دروازہ امام ابن تیمیہ اور شاطبی نے کھولا تھا اور جائز تھا، تو آج بھی فرقہ بندیوں کی حامل فقہ کے خلاف اجتہاد کیا جا سکتا ہے اور اس دروازہ کو کھولا جا سکتا ہے۔ اس بارے میں ہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو پیش کرتے ہیں۔

١۔ شاہ ولی اللہ، پیدائش ١٧٠٢ء، وفات ١٧٦٢ء بانی، اور

٢۔ ابن عبدالوہاب، پیدائش ١٧٠٣ء، وفات ١٧٩٢ء

ان دونوں حضرات کے طریق کار، تشریحات اور تعبیرات میں فرق ہے لیکن دونوں تقلید اور جمود لہٰذا اس کا فرگری سے کافی ہٹ کر سوچنے کا نیا راستہ پیدا کر رہے ہیں۔ اگر ان تحریکات پر غور کرنے کے بعد کوئی چھاپ لگائی جا سکتی ہے تو شاہ صاحب کی اصلاحی اور ابن عبدالوہاب تحریک تجدیدی ہے۔

اس کے بعد سید جمال الدین افغانی، شیخ محمد عبدہٗ، شیخ رشید رضا، مولانا شبلی نعمانی، علامہ محمد اقبال، ابوالکلام آزاد اور غلام احمد پرویز صاحب نے پارٹی بازی، جمود، تقلید اور بندشِ اجتہاد کے خلاف آواز اٹھائی اور دینی عمل و کردار کو ملّتِ اسلامیہ کے لئے استعمال کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔ یہ رَو اور آگے بڑھنی چاہیئے۔

"پورے عالمِ اسلام کے چیدہ اہلِ نظر و فکر و ارباب فقہ و اصول کا اجتماع ہو جہاں وہ مل بیٹھیں اور مسائل پر اجتماعی آراء کا نچوڑ امت کی خدمت میں پیش کریں تاکہ امت کی فقہی نظر یکساں ہو جائے۔"

(اقبال۔ فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید ص ۲۶۳)

یہ ہے فرقہ بندیوں کو توڑنے کا اصل طریق کار۔ لیکن اب طریق مملکت بالکل بدل چکا ہے۔ جمہوریت عوام کے نمائندے منتخب کرتی ہے اور ملک کی پارلیمنٹ، قانون سازی کرتی ہے۔ ان حالات میں اجتہاد کا وہ طریقہ اپنانا ہوگا جو علامہ اقبال نے تجویز کیا تھا۔

"بلادِ اسلامیہ میں جمہوری رُوح کا نشوونما اور قانون ساز مجلس کا یہ تدریجی قیام ایک بڑا ترقی زا قدم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذاہب اربعہ کے نمائندے جو سردست فرداً فرداً اجتہاد کا حق رکھتے ہیں۔ اپنا یہ حق مجلس تشریعی کو منتقل کر دیں گے۔ یوں بھی مسلمان چونکہ متعدد فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اس لئے ممکن بھی ہے تو اجماع کی یہی شکل، مزید برآں غیر علماء بھی جو ان امور پر گہری نظر رکھتے ہوں، اس میں حصہ لے سکیں گے۔ میرے نزدیک یہی ایک طریقہ ہے جس سے کام لے کر ہم زندگی کی اس رُوح کو جو ہمارے نظامات فقہ میں خوابیدہ ہے از سرِ نو بیدار کر سکتے ہیں۔ یونہی اس کے اندر ایک ارتقائی نقطۂ نظر پیدا ہو سکتا ہے۔"

(اقبال۔ فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید، صفحہ ۲۵۹)

اب رہا یہ مسئلہ کہ پاکستان میں پارلیمنٹ ہونے کے باوجود شیعہ اور سُنّی فرقے سرگرم عمل ہیں۔ سنّی کانفرنسیں ہو رہی ہیں۔ اور سیاسی پارٹیوں میں مسلم لیگ، پیپلز پارٹی، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان کے علاوہ صوبائی پارٹیاں اور لسانی پارٹیاں ہیں اور ان کا علم و عمل صرف پارٹی بازی کے لئے ہے۔ یہ دین میں اختلاف اور فرقہ بندی ہے۔ اس تمام صورت حال کے باوجود وہ اس پر متفق ہیں کہ پارلیمنٹ

فیصلہ کرے۔ اسے موقع دیا جائے اور اس میں اسلام کے حوالے سے بھی بات کی جائے۔ یقیناً ہمارا سفر اب پارلیمنٹ سے فیصلہ کرانے کی طرف ہے اور بقول اقبالؒ ہم اس میں کامیاب ہوجائینگے بہرحال موجودہ سیاسی پارٹیاں جو پارلیمنٹ کے اندر اپنے نمائندے بھیجنا چاہتی ہیں۔ ان کا طریق کار قرآن وحدیث سے متصادم ہے۔ سینٹ میں شریعت بل کی منظوری کے بل بوتے پر ہمارا حوصلہ بڑھا تھا کہ اب پارٹی بازی اور اس کی فضول خرچیاں شاید ختم ہوسکیں لیکن بات آگے نہ بڑھ سکی۔

ان حالات میں وفاقی شرعی عدالت میں التماس ہے کہ

۱۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کا جائزہ لیا جائے۔ وہ فرقہ بندی اور پارٹی بازی پر کوئی قدغن کیوں نہیں لگاتا۔

۲۔ موجودہ سیاسی پارٹی بازی کے الیکشن کے گراں قدر اخراجات کے ہم متحمل نہیں ہوسکتے اور الیکشن مہم میں ایک دوسرے کے خلاف وہ کچھ کہا جاتا ہے۔ جس سے اقوامِ عالم میں ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

۳۔ اس سے فقہی اختلافات کو اور ہوا ملتی ہے۔

۴۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس سیاسی پارٹی بازی کو جو پارلیمنٹ کے اندر اور باہر ہے بالکل ممنوع قرار دیا جائے کیونکہ اس نے اخلاق اور مالی دیوالیہ پن پیدا کردیا ہے۔

۵۔ ملک میں غیر جماعتی الیکشن کرائے جائیں۔

۶۔ کسی ممبر کو الیکشن میں حصہ لینے کے لئے ضروری علم وعمل کا خاکہ اور اپنی سابقہ زندگی کا صاف ریکارڈ دکھانا چاہیئے۔

۷۔ ممبرشپ کو خاندانی میراث کے طور پر برقرار رکھنے پر پابندی لگائی جائے۔

۸۔ ہر ممبر اپنا بنک بیلنس اور جائداد کا گوشوارہ فارم امیدواری کے ساتھ پیش کرنے کا پابند بنایا جائے۔

جاری ہے

ایک شمع اور بجھ گئی ـــــــــ

● پرچہ پریس جا رہا تھا کہ ۲۷ دسمبر ۱۹۹۰ء دن کے بارہ بجے شیخ عبدالحمید صاحب کے بیٹے کا فون آیا : بھرائی ہوئی آواز میں اتنا کہا " ابّا جی .... اللہ کو پیارے ہوگئے !!!"

ـــــ تفاصیل اگلے شمارہ میں دیکھئے ـــــ ناظم ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ثریا عندلیب

إِيَّاكَ نَعْبُدُ

اگر ہم غور و فکر سے کام لیں تو یہ حقیقت واضح ہو کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی سورۃ الفاتحہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے دو لفظ قرآن کریم کی پوری تعلیم کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ ان کا ترجمہ کیا جاتا ہے "ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔" اب یہاں ساری بات لفظِ عبادت کو سمجھنے کی ہے۔ عبادت کا مادہ ع۔ب۔د ہے۔ عربی لغت اور قرآن کریم دونوں کی تصریحات کے مطابق عَبْدٌ کے معنی غلام یا محکوم کے ہیں۔

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر لفظ عابد محکوم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام قوم فرعون کی طرف گئے اور انہیں حق کی طرف آنے کی دعوت دی تو انہوں نے کہا "ہم اپنے جیسے انسانوں کی بات کیسے مان لیں اور یہ کہ وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ (۲۳ : ۴۷) (اور ان کی قوم ہماری محکوم ہے۔) چنانچہ لفظ عبادت کے معنی حکومت کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں اسے ان معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ سورۂ کہف میں ہے:۔

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۔ (۱۸:۱۱۰)

"انہیں چاہیئے کہ وہ اپنے رب کی "عبادت" میں کسی کو شریک نہ کریں۔"

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے:۔

وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا (۱۸:۲۸)

"وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا"

اسی طرح سورۂ یوسف میں پہلے کہا گیا کہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۱۲ : ۴۰) "حکومت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی۔" اور اس کے ساتھ ہی کہا گیا: اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ (۱۲:۴۰) "اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبودیت (عبادت) اختیار نہ کرو" اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں حکومت اور عبادت کے الفاظ مرادف معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔ سورۂ نحل

میں اس مفہوم کی مزید تشریح ملتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ؕ (۱۶ : ۳۶) یعنی خدا کی طرف سے جو رسول بھی آتا تھا وہ یہی پیغام لاتا تھا کہ اللہ کی عبودیت اختیار کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ عربی زبان میں طاغوت ہر غیر خداوندی طاقت یا حکومت کو کہتے ہیں۔ جو بھی قوت قوانینِ خداوندی سے سرکشی کرے گی اسے طاغوت کہا جائیگا اس آیت میں یہی بتایا گیا ہے کہ انبیاء کرام خدا کی محکومیت اختیار کرنے کی دعوت دیتے تھے اور ہر غیر خداوندی حکومت کی محکومیت سے روکتے تھے۔ طاغوت سے اجتناب کرنے کی وضاحت سورہ النساء میں بھی کی گئی ہے۔ اور وہ یوں ہے کہ

" ذرا ان لوگوں کی حالت پر غور کرو جو بزعم خویش یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا قرآن پر ایمان ہے
جب کہ اپنے معاملات کے فیصلے غیر خداوندی قوانین کی رُو سے کروانا چاہتے ہیں۔
حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ غیر خداوندی قوتوں سے انکار اور اجتناب کریں۔"

سورۂ لبقرہ میں طاغوت سے کفر یا انکار کی وضاحت سے کہا گیا ہے کہ :۔

"جس نے طاغوت سے کفر کیا (انکار کیا) اور اللہ پر ایمان لے آیا اس نے اس ایک محکم سہارے کو تھام لیا۔" (۲ : ۲۵۶)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طاغوت کی محکومیت سے مُنہ موڑ کر اللہ کی محکومیت میں کس طرح آنا ہوگا؟ ہم کس طرح جان پائیں گے کہ ہم نے اللہ کی محکومیت اختیار کر لی ہے۔ اس کے لئے اللہ کی کتاب مبین کا بڑا واضح اعلان ہے کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (۵/۴۴)

" جو قوم قرآنِ کریم (ما انزل اللہ) کے مطابق حکومت (فیصلے) نہیں کرتی تو یہی لوگ کافر ہیں۔"

تو ان تشریحات سے واضح ہُوا کہ عربی زبان کے مطابق قرآنِ کریم کی رُو سے "خدا کی عبادت" سے مراد خدا کی محکومیت اختیار کرنا ہے۔ یعنی ایسے نظام میں رہنا جس میں تمام امور کے فیصلے قرآنِ کریم کی روشنی میں ہوں۔ ایسا کرنے والے عابدین کہلائیں گے۔ قرآنِ کریم نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ جماعتِ مومنین کو حکومت اسی لئے دی جائیگی کہ ان کے دین کا تمکن ہو سکے۔ وہ خدا کی عبادت کر سکیں (يَعْبُدُوْنَنِیْ) اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں (لَا يُشْرِكُوْنَ بِیْ شَيْئًا) (۲۴ : ۵۵) ۔ یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ اگر "عبادت" سے مراد محض پرستش ہو تو اس کے لئے اپنی حکومت کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ پرستش تو ہر حکومت میں ہو سکتی ہے جیسا کہ انگریزی کی حکومت میں رہتے ہوئے بھی "خدا کی پرستش" کرنے کی ہمیں پوری پوری آزادی حاصل تھی۔

لہٰذا اللہ کی عبادت سے مفہوم اس کے احکام کی محکومیت عملاً اختیار کرنا ہے۔ اس کے مقابل طاغوت سے انکار کا جو حکم دیا گیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے معاملات کے فیصلے نہ تو اپنے ذاتی جذبات و خیالات کے مطابق کرے اور نہ ہی غیر خداوندی قوانین کے مطابق کرائے بلکہ ان کے فیصلے قوانینِ خداوندی کے مطابق کرائے اسی کو اعبدو اللہ کہا گیا ہے یہی عبادت کا قرآنی مفہوم ہے۔

چنانچہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کے معنی ہوں گے "ہم صرف تیری محکومیت اختیار کرتے ہیں، تیرے سوا کسی اور کی حکومت کے تابع نہیں رہنا چاہتے۔ ہم اپنے تمام معاملات کے فیصلے تیری کتاب کے مطابق کرنا چاہتے ہیں ہم غیر خداوندی قوانین و احکام کی اطاعت کبھی نہیں کریں گے۔ اس سلسلے میں یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان اپنے جذباتِ اطاعت و فرماں پذیری کا اظہار کسی محسوس انداز سے کرنا چاہتا ہے۔ یہ شئے اس کے لاشعور میں موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کے لئے سر جھکانا ہاتھ اٹھا کر اظہارِ تعظیم کرنا اور اسی قسم کی دوسری علامات اختیار کی جاتی ہیں۔ قرآن کریم نے بھی اظہارِ جذبات کے انسانی تقاضے کا لحاظ رکھا ہے اور اسے ایک اجتماعی حیثیت دی ہے۔ یعنی نماز کے اجتماعات میں رکوع و سجود کرتے ہوئے خدا کے سامنے جھکنا اس حقیقت کا محسوس مظاہرہ ہے کہ ہم قوانینِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ ہم ان کی اطاعت اور فرماں پذیری کو قبول کرتے ہیں۔ ہمارا ہر نماز میں اللہ کے حضور اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کا اقرار لازماً وہی عملی مفہوم چاہتا ہے جو نبی اکرمؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اپنے مقدس ہاتھوں حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ اس حکومت کا مقصد دین کا تمکن تھا وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمۡ دِیۡنَهُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَهُمۡ جو دین اللہ نے ان کے لئے پسند کیا۔ اس کا تمکن ہوگا اور پھر یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا۔ (۵۵ : ۲۴) "وہ صرف میری عبادت (محکومیت) اختیار کریں گے اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کریں گے" قرآن کریم کی ان آیاتِ بیّنات سے یہ بات طے ہے کہ خدا کی عبادت (محکومیت) صرف اس حکومت میں رہتے ہوئے ہو سکتی ہے جو دین کے تمکن کے لئے عمل میں آئے اور جہاں تمام معاملات معاشرتی، معاشی سیاسی و سماجی سب کو قوانینِ خداوندی یعنی اصول و اقدارِ قرآنی کے تحت فیصلہ پائیں۔ حضور رسالتمآبؐ نے اسی نظامِ خداوندی کو متشکل فرمایا تھا اور یہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کا حقیقی عملی مظاہرہ تھا۔ اس قرآنی عہد کے بعد جب انسانوں نے خدا کی حکومت سے روگردانی کرتے ہوئے اپنی حکومت کی بنیاد ڈالی اور عہدِ خلافت کی جگہ دورِ ملوکیت نے لی تو اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کا انقلاب آفریں اقرار بے جان الفاظ میں بدل گیا۔ اور عبادت کا وسیع تر مفہوم پرستش میں مقید ہو گیا۔ جب اللہ کی حکومت کی جگہ طاغوت کی حکومت قائم ہوئی تو مسلمان کی حالت یہ ہو گئی کہ محکومیت غیر اللہ کی اور محکومیت کے اظہار کی محسوس حرکات، اللہ کے لئے۔ (قرآن کریم نے جہاں کفار اور مشرکین کی

'عبادت' کا ذکر کیا ہے تو اس سے مراد اظہارِ محکومیت و اطاعت کی یہی محسوس حرکات ہیں۔) قرآن نے بتایا ہے کہ جس طرح حکومت و اطاعت صرف خدا کی ہو سکتی ہے۔ بعینہٖ اس اطاعت کے اظہار کی محسوس حرکات (رکوع و سجود) بھی خدا ہی کے لئے مختص ہیں۔ لیکن مسلمان نے عبادت کو پرستش کے معنی پہنا کر اپنی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یعنی محکومیت کیلئے اور اللہ اور اظہارِ محکومیت کے لئے اور اللہ۔ دوسرے لفظوں میں محکومیت تو انسانوں کی اختیار کی اور پرستش خدا کی کرتے رہے۔ مسلمان کا یہ شعارِ زندگی یہ ثنویت آج تک چلی آرہی ہے۔ صرف ایک لفظ کے معنی بدل دینے سے۔ یوں ہم ہر روز ہر نماز میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے الفاظ دہراتے رہتے ہیں لیکن کبھی یہ سوچنے سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ ان الفاظ کو بولتے ہوئے ہم کتنی بڑی ذمہ داری کا حلف اٹھا رہے ہوتے ہیں۔ نہ ہمیں اس ذمہ داری کی حرمت کا خیال آتا ہے نہ ہم حلف کی عظمت کو جاننا چاہتے ہیں۔

تحریکِ پاکستان کے زمانے میں عبادت کا مفہوم پرستش ہی تھا جس کی بناء پر ہندوستان کے علماء کرام اور مفتیانِ عظام نے اس تحریک کی ڈٹ کر مخالفت کی اور عوام کو اس فریب میں مبتلا کیا کہ خدا کی عبادت (پرستش) ہر جگہ اور ہر حکومت میں ہو سکتی ہے۔ ان کو یہ سمجھایا گیا کہ غیر اللہ کی محکومیت میں رہتے ہوئے بس خدا کی پرستش کر لینے سے صحیح اسلامی زندگی بسر کی جا سکتی ہے اور اسلام کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اگر 'عبادت' کا ترجمہ پرستش نہ کیا جاتا تو مسلمان کبھی اس پر مطمئن نہ ہوتا کہ طاغوت کی محکومی میں اللہ کے دین کا مقصد پورا ہو سکتا ہے یا اس محکومی میں دین کا تمکّن کیا جا سکتا ہے۔ غیر خدائی ماحول میں گھرے ہوئے مسلمان کا رکوع و سجود اس کے اس عزم کی تکرار ہوتا ہے جس سے وہ جھوٹے فریب کے پیدا کردہ اطمینان کے پھندے میں نہیں پھنستا۔ وہ خدا کی 'عبادت' یعنی اس کی محکومیت میں زندگی بسر کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا اگر اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا قرآنی مفہوم ہمارے سامنے رہتا تو ہم اپنی آزاد مملکت حاصل کرنے کے بعد بدستور ان غیر خداوندی قوانین کی غلامی اختیار نہ کئے رہتے جو صدیوں سے ہمارا پیچھا لئے ہوئے ہیں۔

ہم مسلمان مذکورہ جھوٹے اطمینان میں اس لئے بھی رہنا چاہتے ہیں کہ "پرستش" کے تصور سے "اسلامی زندگی" بڑی آسان ہو جاتی ہے۔ پرستش کرانے والوں کے لئے بھی اور پرستش کرنے والوں کیلئے بھی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی تن آسانی کی زندگی اور ایسی سستی جنت کون چھوڑنا پسند کرے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی کسی ایک اصطلاح کا مفہوم بدل جانے سے دینِ اسلام کا پورے کا پورا نقشہ بدل جاتا ہے اور زندگی کی گاڑی دوسری پٹڑی پر جا پڑتی ہے۔ ہمارے دورِ ملوکیت میں قرآنی اصطلاحات و تصورات کے مفہوم میں اس قسم کی تبدیلی بکثرت اصطلاحات میں ہوئی۔ جب دین مذہب

میں بدل گیا اور سوچنے سمجھنے کے دروازے بند ہو گئے۔ تاہم وقت ختم نہیں ہو گیا۔ ہمارے پاس تاقیامت رہنے والی اللہ کی کتاب موجود و محفوظ ہے۔ اوّلاً ہمارے لئے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ہم کبھی صحیح اسلامی زندگی تک نہیں پہنچ سکتے، جب تک قرآنی اصطلاحات و تصوّرات کے مروجہ مفہوم کو صحیح قرآنی مفہوم سے نہیں بدلا جاتا۔ ہمارے لئے فلاح و سعادت کی اس کے سوا کوئی راہ نہیں۔ قرآنِ کریم کی اصطلاحات و تصوّرات کے قرآنی مفہوم سے آگاہ ہو کر ہی ہم صحیح مسلمان کی زندگی اختیار کر سکتے ہیں۔ اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہنے کا حق ادا کر سکتے ہیں۔

یاد رکھیئے! مروجہ تصورات کو قرآنی تصوّرات کے مطابق کر لینا اپنے رُخ کو قبلے کی سمت موڑ لینے کے مرادف ہے۔

کراچی بزمِ طلوعِ اسلام کے زیرِ اہتمام، درسِ قرآنِ کریم

۱ ۲۲۸ شرف آباد رابطہ :- محترم خالد گل : فون ۵۳۹۲۸۹

۲ کورنگی رابطہ :- محترم محمد سردار : فون ۳۱۲۶۳۱

۳ کھڈ مارکیٹ رابطہ :- جمعہ بھائی : فون ۷۴۲۰۳۸

اوسلو

KEYSER G.T.I HALL D

ہر ماہ پہلا اتوار ــــــــــ ۴ ـ بجے شام

چنیوٹ

ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر بھٹہ بازار ــــ ۳ بجے بعد نماز جمعہ

قرآن بچوں کے لئے

قاسم لنُوریؔ

عمل

السّلام علیکم بچّو! گزشتہ ماہ ہم نے آپ آپ کو "تقدیر" کا قرآنی مفہوم بتایا تھا اور یہ واضح کیا تھا کہ انسان کی تقدیر پہلے سے لکھّی ہوئی نہیں ہوتی بلکہ انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے۔ یعنی وہ جو کچھ عمل کرتا ہے وہی عمل اس کی تقدیر بن جاتا ہے۔ جیسے علاّمہ محمّد اقبالؒ نے کہا تھا:۔

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنّت بھی جہنّم بھی

لیکن یہ عمل کیا ہوتا ہے؟ یہی بات آج آپ کو بتائیں گے۔

عمل، عربی زبان کا لفظ ہے اس کی جمع ہوتی ہے "اعمال"۔ ہم جان بوجھ کر جتنے کام بھی کرتے ہیں۔ چلتے ہیں، پھرتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں، ہنستے بولتے ہیں، لڑتے ہیں، اسکول جاتے ہیں۔ غرض جو جو کچھ کرتے ہیں وہ سب عمل کہلاتے ہیں۔ گویا انسان کا ہر کام عمل ہوتا ہے۔ اچھّے کام کو "صالح عمل" کہتے ہیں اور جناب مزے کی بات یہ ہے کہ انسان ہی عمل نہیں کیا کرتا، اس کائنات کی ہر شے عمل کرتی ہے مثلاً دِن نکلتا ہے، رات آتی ہے، مینہہ برستا ہے، ہوا چلتی ہے، تارے چمکتے ہیں، چاند، سورج، سمندر، جنگل، کھیت، سبزہ درخت، یہ سب کوئی نہ کوئی عمل ہر وقت کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ اسے حرکت بھی کہہ سکتے ہیں۔ اِس حرکت کا نام زندگی ہوتا

ہے ـــــ یعنی زندگی ہوتی ہی عمل سے ہے۔ عمل رُک جائے تو زندگی رک جاتی ہے یعنی ختم ہو جاتی ہے ـــــ اچھا اس بات کو یوں سمجھو کہ یہ جو ہمارا جسم ہے نا یہ ایک کائنات ہے اس جسم میں ہر وقت ہر لمحہ ہر گھڑی ہر چیز عمل کر رہی ہے، حرکت کر رہی ہے۔ دِل دھڑک رہا ہے۔ سانس چل رہا ہے، دماغ کام کر رہا ہے اور جسم کے اندر جتنے بھی اعضاء ہیں وہ سوتے جاگتے، چلتے پھرتے ہر وقت حرکت یعنی عمل کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک لمحے کے لئے بھی عمل چھوڑ دے تو کیا ہو؟ انسان مر جائے گا نا ـــــ یعنی دِل دھڑکنا بند کر دے سانس رُک جائے۔ دماغ فیل ہو جائے، خون رگوں میں دوڑنا چھوڑ دے تو موت آجائے گی نا ـــــ ہم مر جائیں گے اور فورًا مر جائیں گے۔

اسی طرح کائنات کا نظام ہے ـــــ وہاں بھی اگر سورج نکلنا چھوڑ دے ـــــ زمین گھومنا چھوڑ دے ـــــ ہوا ایک دن کی چھٹی کر لے تو سارا نظام بگڑ جائیگا۔ تو پتہ چلا کہ زندگی چیزوں کی ہو یا انسان کی، اُسی وقت تک زندہ رہتی ہے جب تک "عمل" زندہ رہتا ہے۔ جب عمل رُک جاتا ہے تو زندگی بھی رُک جاتی ہے ـــــ تو زندگی نام ہوا "حرکت اور عمل" کا اور موت نام ہوا حرکت اور عمل کے رُک جانے کا ـــــ اب اگر آپ بچوں کے ذہن میں یہ بات آگئی تو پھر تو خود ہی سمجھ جائیں گے کہ بے عمل آدمی اور بے عمل قوموں کا شمار اسی لئے تو زندوں میں نہیں ہوتا۔

پیارے بچو! ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے کہ عمل اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اچھے عمل کا

نتیجہ ہمیشہ اچھا اور بُرے عمل کا نتیجہ ہمیشہ بُرا نکلتا ہے اور اس بات پر ایمان لانے والا ہی مسلم اور مومن ہوتا ہے اور انسانوں کے اچھے اعمال کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ انسانوں سے قریب ہوتا ہے (98:9) اور انسانوں کا دوست بنتا ہے (6:128 10:62) اچھے عمل کرنے سے ہی جنّت ملتی ہے۔ (2:25) اسی سے زندگی خوشگوار اور شاندار بنتی ہے $(\frac{16}{97})$ اور بُرے کاموں یعنی عملوں کی وجہ سے انسان کو جہنّم ملے گا (33:34) قیامت میں انسان کہے گا کہ اے کاش میں آج کے دن کے لئے "اچھے اعمال" پہلے سے بھیج دیتا (89:24)۔

اچھا بچّو آئندہ مضمون میں ہم آپ کو "مکافاتِ عمل" کے بارے میں بتائیں گے جس کا مطلب ہوتا ہے۔ جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ جو بوؤگے وہی کاٹوگے ــ جیسا کام یا عمل کروگے اس کا نتیجہ بھی ویسا ہی نکلے گا ــــ (قاسم نوری)

گذارشات

- ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ تک پرچہ نہ ملنے کی شکائت پر پرچہ بلا قیمت بھیجا جائیگا۔
- خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے!
- جواب طلب امور کے لئے جوابی لفافہ بھیجئے ورنہ تعمیل نہ ہو سکے گی۔!

ایڈیٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرتبہ ۔ قاسم نوری

فکرِ قرآنی کا سفر ۹۰ء کے آئینے میں

طلوعِ اسلام ــــ ماہ بہ ماہ

یوں تو اربابِ علم و فکر کے لئے ہر لحظہ اور ہر سانس خود احتسابی کے عمل سے ہی گزرا کرتا ہے اور وہی قومیں دامنِ تاریخ میں محفوظ رہا کرتی ہیں جو احتساب کے آئینہ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتی ہیں، لیکن اس کے لئے احساسِ احتساب کی اہمیت کو عام اور اجاگر کرتے رہنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے ـــــ طلوعِ اسلام ماہ بہ ماہ" یعنی فکرِ قرآنی کا سفر ' گزشتہ سال میں، کا آغاز ۱۹۸۹ء سے ہم نے اسی لئے شروع کیا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ نئے سال کا موڑ مڑتے ہوئے کچھ دیر کے لئے رک کر، ہم گردن گھما کر پیچھے بھی دیکھ لیں کہ گذشتہ سال کے سفر میں ہم سے کہاں کہاں کوتاہیاں ہوئی ہیں، کہاں خامیاں رہ گئی ہیں۔ ہماری ہمتوں کے جوار بھاٹہ میں کہاں تیزی آئی ہے کہاں تھکن کا احساس ہوا ہے اور ہم نے اپنی ہمتوں کے رخ منزلِ قرآن سے ہٹنے تو نہیں دیئے ہیں؟!! ساتھ ہی اس امر کا بھی جائزہ لے لیں کہ ہمارے عزم کے پاؤں کن کن خارزاروں میں الجھ کر زخمی ہوئے ہیں اور کون کون سی نئی جہتیں ہم نے دریافت کی ہیں ـــ یا قرآنی فکر و تحقیق کے کتنے نئے افق تلاش کئے ہیں۔ کتنے نئے غواص ڈھونڈے ہیں اس بحرِ فرقانی میں غواصی کے لئے۔؟!!!

ہر چند کہ بانیٔ تحریکِ طلوعِ اسلام، علامہ غلام احمد پرویز رح کے انتقال سے ۱۹۸۸ء تک کا زمانہ کاوشِ مسلسل اور قیام و استحکامِ عزم و ہمت کا زمانہ تھا۔ تحریکِ طلوعِ اسلام سے وابستہ لوگ فطری طور پر سہمے ہوئے تھے اور غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار تھے۔ یہ سوال کہ علامہ مرحوم کے بعد یہ تحریک کس طرح قائم رہے گی اور آگے بڑھے گی، پہاڑ کی طرح محسوس ہوتا تھا اور بہت بڑا توجہ طلب مسئلہ تھا۔ لیکن وابستگانِ تحریک کے سامنے، علامہ مرحوم کی زندگی، بطور مثال سامنے تھی۔ وہ تنِ تنہا ۱۹۳۸ء میں اس تحریک و مقصد کو لے کر چلے تھے اور ۱۹۸۵ء میں ۲۴ فروری کو جب سفرِ آخرت، اختیار کیا تو ایک طویل اور عظیم کارواں تیار ہو چکا

تھا، بلکہ انقلاب قرآنی کے راستے پر رواں دواں تھا۔ یہ اس مردِ حق آگاہ اور دیدہ ورِ قرآن کی انتھک محنت اور عزمِ محکم کا ثمر تھا۔ علامہ مرحوم کا یہی جذبہ پیچھے رہ جانے والوں کے لئے مشعلِ راہ بنا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس تحریک کی چھت کے نیچے کئی مضبوط ستون قائم ہو گئے۔ باقاعدہ انتظامیہ تشکیل پا گئی۔ ٹرسٹ کا قیام عمل میں آ گیا۔ ریسرچ لائبریری بن گئی۔ پرویز صاحبؒ کی تصانیف کی اشاعت اور فروخت کا خاطر خواہ انتظام کر دیا گیا۔ دفتری امور کو کمپیوٹرائزڈ کر دیا گیا۔ تسلسل کو احسن شکل دے دی گئی اور ماہنامہ طلوعِ اسلام کے خاکے میں نئے نئے اور حسین رنگ بھرے جانے لگے۔

لیکن کوئی کوشش آخری کوشش نہیں ہوتی۔ دریا کا حسن اس کی روانی سے ہی قائم رہتا ہے۔ موج اسی وقت تک موج رہتی ہے جب تک وہ رواں رہے۔ رک جائے تو مٹ جایا کرتی ہے۔ قرآن اسی لئے قیامت تک کے لئے ہے کہ اس میں ہر زمانہ اور ہر عہد کی امامت کی صلاحیت پنہاں ہے اور چونکہ "طلوعِ اسلام" کا اجراء قرآنِ خالص کے تعارف کے لئے عمل میں آیا تھا اور اس کا اصل منشاء اور مسلک ہی، ساری دنیا کو اس سے آگاہی بخشنا ہے کہ اسلام کے نزول سے اللہ تعالیٰ کا مقصد کیا ہے؟ اور اسلام کس قسم کا ضابطۂ زندگی اور نظامِ حیات پیش کرتا ہے۔ لہٰذا "طلوعِ اسلام" کو بھی زمانے کی رفتار کا ساتھ دینا اور اس کے ساتھ ساتھ چلنا ہے۔ یہی نہیں بلکہ "حکمِ اذاں" کا جو فریضہ اسے روزِ اوّل سے ملا ہوا ہے اس کو بھی انجام دیتے چلے جانا ہے۔ اس کوشش میں یہ کہاں تک کامیاب ہو سکا ہے۔ اسی جائزے اور احتساب کے لئے اپنی سال بھر کی کارگزاری کو ساری دنیا میں پیش کیا جا رہا ہے ——— اس موقع پر ہم اپنے عزم کا اعادہ ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ ہر سال جنوری کے شمارہ میں ہم اسے پیش کرتے رہیں گے۔

جنوری سنہ ۱۹۹۰ء

اس سال کا پہلا شمارہ اس اعتبار سے انفرادی خصوصیت کا حامل ہے کہ "طلوعِ اسلام" کی اکیاون (۵۱) سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ گزشتہ سال کی کارکردگی کو جائزے اور احتساب کے لئے دنیا بھر کے سامنے پیش کیا گیا ہے اور احتساب و خود احتسابی کی طرح ڈالی گئی ہے۔ یہ بتیس (۳۰) صفحات پر مشتمل ہے اور ابتدائی تین صفحات میں اس کا تعارف پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ بیشتر مستقل عنوانات وہی ہیں جو علامہ غلام احمد پرویزؒ کے اختیار کردہ تھے۔ مثلاً لمعات، حقائق و عبر، نقد و نظر وغیرہ۔ مجلس ادارت میں دو نام ہیں مدیرِ مسئول محمد لطیف چوہدری اور معاون محترمہ ثریا عندلیب۔ شمارہ کے صفحات اسی (۸۰) اور قیمت پانچ روپے ہے اور یہی چیز چونکا دینے والی ہے

کہ مہنگائی کے اس دور میں جب کہ ہر چیز کے دام کئی گنا بڑھ چکے ہیں 'طلوعِ اسلام' لاگت سے بھی کم قیمت پر پیش کیا گیا ہے۔ سرورق رنگین ہے۔ آرٹ پیپر پر شائع کیا گیا ہے۔ اندرونی صفحات، خوبصورت کتابت کے ساتھ آفسٹ پرنٹنگ میں ہیں۔

• ـــــ "لمعات" (جو ایڈیٹوریل کے لئے مخصوص ہے) کا موضوع 'جمہوریت' ہے۔ جس میں اس لفظ کے معنی اور مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے اور متعدد مثالوں اور دلیلوں سے سمجھایا گیا ہے کہ عوام النّاس کے لئے اس کے نتائجِ مثبت سے کہیں زیادہ منفی برآمد ہوتے ہیں، کیونکہ سرمایہ داروں کا مخصوص طبقہ، عوام النّاس کے نمائندوں کے طور پر منتخب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچ جاتا ہے اور چونکہ وہ طبقہ عوام کا ہوتا ہی نہیں لہٰذا عوام کے مسائل سے بھی بے خبر ہوتا ہے اور ان کی صحیح نمائندگی کر ہی نہیں سکتا، لہٰذا ضروری ہے کہ ملک کی سو نشستوں میں سے نوّے ۹۰ نشستیں عوام کے لئے مخصوص ہوں اور دس ۱۰ خواص (امراء) کے لئے۔ عوام کی نشستوں کے لئے عوام امیدوار ہی کھڑے ہوں اور سرمایہ دار کی نشستوں کے لئے سرمایہ دار اور دونوں کے ووٹ اپنے اپنوں ہی کے لئے مخصوص ہوں کوئی ایک دوسرے کو ووٹ نہ دے۔ اس طرح جمہوریت 'جمہوریت' کہلائے گی۔ ورنہ ہم خود کو ہی فریب دیتے رہینگے کہ یہ "آزادی کی نیلم پری" ہے

اسی شمارہ میں ناظمِ ادارہ طلوعِ اسلام کی طرف سے نہایت اہم اپیل قارئین طلوعِ اسلام سے کی گئی ہے، جس میں باہمی رابطوں کی اہمیّت پر زور دیا ہے اور زیادہ سے زیادہ طلوعِ اسلام کی بزمیں قائم کرنے کی افادیّت سے آگاہ کیا ہے تاکہ جو لوگ موجودہ معاشرے سے بیزار ہیں اور نیا نظام چاہتے ہیں انہیں اس کے لئے اتحادی قوّت مہیّا ہو اور باہمی روابط سے رشتۂ اخوّت بھی استوار و مستحکم ہوتا چلا جائے۔

• ـــــ علامہ پرویز رح کی کتاب "نظامِ ربوبیّت" سے استنباط کرتے ہوئے ادارہ نے عقلِ انسانی کے تجویز کردہ اور اللہ کے عطا کردہ معاشی نظاموں کا تقابل کیا ہے اور بتایا ہے کہ مغرب کا جمہوری نظام کیا ہے؟ روس کا اشتراکی نظام کیا ہے؟ اور قرآنی معاشی نظام کیا ہے؟ مضمون صرف تین ۳ صفحات پر مشتمل ہے لیکن اس میں پوری کتاب "نظامِ ربوبیّت" کی رُوح سمٹی نظر آتی ہے۔ مضمون کا عنوان ہے "معاشی نظاموں کا تقابل"

• ـــــ "عورت کا قرآن" قندِ مکرّر کے طور پر شائع ہوا ہے۔ یہ ایک طویل مضمون ہے جس کی قسطِ اوّل شائع کی گئی ہے اور اسے ہندوستان کے صوبہ بہار کی محترمہ جمیلہ خاتون نے تحریر کیا ہے۔ چونکہ قارئینِ طلوعِ اسلام کی ایک خاصی تعداد خواتین پر مشتمل ہے اور قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں ان کی دلچسپی بھی بڑی گہری ہے۔ اور ان کا ایک عرصہ سے تقاضا تھا کہ طلوعِ اسلام میں ایک مستقل عنوان عورتوں سے بھی متعلق ہونا چاہیئے لہٰذا ادارہ نے اس مضمون کا انتخاب کیا جو ایک کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے اور اس شمارہ میں

اس کا پیش لفظ ہی شائع کیا گیا ہے اور اس پیش لفظ میں یہ سمجھانے اور بتانے کی کوشش کی گئی ہے:۔

"بجز "دین اسلام" کی کتاب قرآن مجید کے ، سارے مذاہب عالم میں کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جس میں عورت کی کمزوری، بے بسی، بدحالی اور کسمپرسی کا کچھ بھی پاس اور لحاظ کر کے اس کے کچھ حقوق متعین کئے ہوں یا کم از کم اسے انسان ہی سمجھنے کی کوشش کی گئی ہو "قرآن مجید" تنہا کتابِ الٰہی ہے جس میں عورت کو بھی برابر کا انسان سمجھا تسلیم کیا گیا ہے اور اس کے حقوق بھی مقرر کئے گئے ہیں"

• ــــــ "وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی" بشیر احمد عابد صاحب کا بصیرت افروز مضمون ہے جو گیارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ بشیر احمد عابد صاحب کا نام قارئینِ طلوعِ اسلام کے لئے اب جانا پہچانا نام ہے۔ ریاض (سعودی عرب) میں بزمِ طلوعِ اسلام کے نمائندہ ہیں اور قرآن کریم سے ان کی دلچسپی اور عنوانات پر انکی توجہ گہری ہے ـــ "نماز" جسے دین کا ستون کہا اور سمجھا جاتا ہے اور جو کلیدِ جنت قرار دی گئی ہے۔ اس کے بارے میں بڑی شرح و بسط سے واضح کیا گیا ہے کہ یہ جس طریقے سے موجودہ شکل میں رائج ہے وہ "قرآنی صلوٰۃ" سے بالکل مختلف ہے۔ اپنے اس مضمون میں بشیر احمد عابد صاحب نے مروجہ نماز اور اللہ کی طرف سے تجویز کردہ صلوٰۃ دونوں کی تفصیل درج ہے۔ دونوں سے بحث کی ہے اور دونوں کا فرق واضح کر کے سمجھایا ہے کہ اسلامی نظام اور معاشرہ کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک مروجہ نماز کی جگہ قرآنی صلوٰۃ کا نفاذ نہیں کیا جائے گا

• ــــــ "خدا لئے زندہ، زندوں کا خدا" معاون مدیر طلوعِ اسلام محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ کا خوبصورت مضمون ہے ـــــ کون نہیں جانتا کہ محترمہ ثریا عندلیب، ان خوش بخت لوگوں میں شمار ہوتی ہیں، جنہیں علامہ پرویز رح کی نگاہِ التفات نے سنوارا اور نکھارا ہے: باباجی (علامہ پرویز رح) کی وفات کے بعد سے وہ طلوعِ اسلام کیلئے وقف ہو چکی ہیں۔ کوئی موسم ہو، کیسے ہی حالات ہوں وہ اس فریضہ سے غافل نہیں ہوتیں۔ گھریلو مصروفیت، بیماری، ریڈیو اور ٹی وی کے لئے لکھنا ــــــ ادارے کی ہر اہم میٹنگ میں شرکت، ہفت روزہ درس میں پابندی سے حاضری آنے جانے والوں کے استفسارات کے جوابات۔ یہ سب کچھ اپنی جگہ اہم اور مسلم، لیکن قارئینِ طلوعِ اسلام کیلئے کچھ نہ کچھ لکھنا فرضِ اوّل سمجھتی ہیں۔

اپنے اس مضمون میں محترمہ ثریا عندلیب نے سمجھایا ہے کہ سانس لینے کا نام زندگی نہیں ہوتا، بلکہ زندگی نام ہوتا ہے اقدارِ الٰہی کی پیروی کرنے کا۔ اور وہ لوگ جو صرف اپنے جذبات کا اتباع کرتے چلے جاتے ہیں اور ان جذبات پر

مستقل اقدار کی پابندی عائد نہیں کرتے وہ ذلیل و خوار ہی نہیں ہوتے، ہلاک بھی ہو جایا کرتے ہیں۔

• ——— "**حقائق و عبر**"۔ طلوعِ اسلام کا مستقل عنوان ہے۔ انتہائی سنجیدہ موضوعات پر نہایت شگفتہ رواں انداز میں تبصرہ جس میں طنز و مزاح کی چاشنی رچی بسی ہوتی ہے، اس کا وصف رہا ہے۔ اس مرتبہ "فرقہ اہلِ حدیث کے قول و فعل میں تضاد" "مودودی صاحب کے چہرے سے نور کی شعاعیں" "تحریکِ پاکستان اور علمائے دیوبند" "اسلام کے نام پر سودا بازی" "حکیم الامت حضرت تھانوی صاحب کے نزدیک قرآنِ مجید کا استعمال" حقائق و عبر کے طنز و تبصرہ کے عنوانات ہیں اور امریکہ میں چھپنے والی "یو ایس فارچون" میگزین کی ایک رپورٹ "بلا تبصرہ" کے عنوان سے شائع کی گئی ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کے سب سے زیادہ امیر ترین اشخاص میں شاہ فہد (خادم حرمین شریفین) کا دوسرا نمبر ہے۔ جس کی دولت تقریباً چار کھرب روپے کے برابر ہے۔

• ——— "**قرآنی تعلیم بچوں کیلئے**" ایک مستقل کالم کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ قرآن کی باتیں حقیقتیں اور احکامات قرآن ہی کی زبان سے سمجھانے کا فریضہ راقم (قاسم نوری) کے ذمہ ہے جسے نہایت آسان، عام فہم اور سیدھی سادی زبان اور لہجہ میں بچوں کے لئے ہر ماہ پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ، رسول، انسان، فرشتے کتاب کے بعد اس ماہ اللہ کی آخری کتاب (قرآنِ کریم) کے بارے میں خود قرآنِ کریم سے بتایا گیا ہے کہ یہ کیا ہے اور کس مقصد کے لئے ہے اور ہم اس سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں ——— اس مضمون میں دو باتیں بڑی اہم ہیں۔ ایک لفظِ قرآن کے معنی اور دوسرے قرآن سمجھنے کیلئے کسی بھی دوسرے ذریعہ کا غیر ضروری ہونا ——— یہ انتہائی کاوش اور محنت سے لکھا ہوا مضمون ہے جو صرف مسلم بچوں کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر قوم اور ہر نسل کے بچوں کے مطالعہ کے لئے ہے۔

• ——— مس شمیم انور کا انگریزی زبان میں مضمون "QURANIC APPROACH TOWARDS CHANGE" حاصلِ مطالعہ مضمون ہے۔ نفسِ مضمون اس کے عنوان ہی سے ظاہر ہے۔ محترمہ شمیم انور بھی قارئینِ طلوعِ اسلام کے لئے کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں ——— عرصۂ دراز سے ان کے مضامین طلوعِ اسلام میں شائع ہو رہے ہیں تحریکِ طلوعِ اسلام سے ان کی وابستگی مسلمہ اور دیرینہ ہے اور یہ بھی باباجی کی تربیت یافتہ ہیں۔ کنیئرڈ کالج لاہور میں تاریخ کی پروفیسر رہی ہیں اور زبان و بیان کے اظہار پر بڑی قدرت رکھتی ہیں۔ بارہ صفحات پر مشتمل ان کا یہ

مضمون انگریزی زبان وادب پڑھنے والوں کے لئے حقائق زندگی اور غور و تدبر کے کئی گوشے وا کرتا ہے اور کئی عقدے کھولتا ہے۔

• "نقد و نظر" کے صفحات میں جناب محمد یعقوب خان تاجیک کی کتاب "ذہنی اور لفظی ارادوں کی صحیح تشکیل" پر مختصر تبصرہ ہے۔ لیکن یہ مختصر سا تبصرہ بھی کتاب کا متن و مفہوم سمجھنے میں کافی مدد دیتا ہے۔ یعقوب خان صاحب نے پاکستان کا نصب العین، مذہب، سیاست، جہیز اور تزکیۂ نفس کے بارے میں معلومات افزا کتاب تحریر کی ہے۔

اسی عنوان کے تحت علامہ پرویز صاحبؒ کی تحریر بھی شائع ہوئی ہے۔ پاکستان رائٹرز گلڈ کی انعام یافتہ کتاب "عزیز بھٹی شہید" پر پرویز صاحبؒ نے جولائی ۶۷ء میں انہی صفحات پر تبصرہ کیا تھا جسے قندِ مکرر کے طور پر دوسری مرتبہ شائع کیا گیا ہے۔ ذکر جانثارِ پاکستان عزیز بھٹی کا ہو اور قلم ہو جناب پرویز علیہ الرحمۃ کا، تو خود اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کیا کیا علم و ادب کے جوہر نہ بکھرے ہوں گے۔

اس شمارہ میں بخاری شریف کی دو احادیث بھی نذرِ قارئین کی گئی ہیں، جس سے ایک مرتبہ پھر یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلکِ طلوعِ اسلام ہرگز ہرگز انکارِ حدیث پر مبنی نہیں ہے ——— دو صفحات طلوعِ اسلام ٹرسٹ کی طرف سے شائع کردہ کتب کی فہرست کیلئے مختص کئے گئے ہیں۔

فروری

یہ شمارہ اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ چار صفحات پر مشتمل "لمعات" میں ملک کی بگڑتی ہوئی سیاسی اور سماجی صورتِ حال کا تجزیہ بڑے مؤثر اور تفصیلی انداز میں کیا گیا ہے۔ سارا ملک عدم تحفظ اور خوف و ہراس میں مبتلا ہے اور چاروں طرف لاقانونیت کا دَور دَورہ ہے جس سے سنبھلنے، بچنے اور پنپنے کا قرآنی راستہ بتایا گیا ہے۔ اس شمارے کے 'لمعات' ایک ایسی تاریخی گواہی کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے نظریں چرانا کسی بھی دیانت دار مؤرخ کے لئے ممکن نہیں ہوگا۔

• لمعات کے فوری بعد ریٹائرڈ بریگیڈیر اعزاز الدین احمد خاں صاحب کا مضمون "ہمارا مقصدِ حیات کیا ہے؟"

حالاتِ حاضرہ کے تقاضے کے مطابق بڑا منطقی اور با معنی لگتا ہے ___ محترم اعزاز الدین صاحب جس عمدگی کے ساتھ قرآنِ کریم کے اہم گوشوں کی نقاب کشائی کا فرض انجام دے رہے ہیں وہ لائقِ تحسین ہے۔ اٹھارہ صفحات پر مشتمل اپنے اس مضمون میں انہوں نے جن گوشوں کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے ان میں بعثتِ رسول کا مقصد، دین اور مذہب میں فرق، اسلامی مملکت کی اہمیت، اسلام کے راستے کی رکاوٹیں، قرآنی تعلیمات اور مقصدِ حیات اور "مذہبی پیشوائیت کی رکاوٹ کیسے دُور ہوگی" ایسے عنوانات شامل ہیں ___ بلاشبہ یہ ایک پُرمغز مقالہ ہے اور اربابِ بصیرت کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔

• ___ "نورِ مبین" کے عنوان سے ادارہ طلوعِ اسلام کی طرف سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جو اور جس قسم کے مسائل قارئین کو درپیش ہوں وہ ادارہ کو لکھیں اور ادارہ ان کی راہنمائی کے لئے قرآنی حل پیش کرے گا۔

ہرچند کہ یہ مضمون علامہ پرویز رح کی معرکۃ الآراء کتاب "تبویب القرآن" سے ماخوذ ہے لیکن بہت خوب ہے۔ تیرہ صفحات پر پھیلے ہوئے اس مضمون کے ذریعے سے جن امور میں قرآنی راہنمائی پیش کی گئی ہے وہ درج ذیل ہیں۔

___ آدابِ معاشرت، باہمی میل ملاقات، بے حیائی کی باتیں، فواحش، چلنا پھرنا، بات کی تحقیق کرنا، تہمت لگانا، شریف زادیوں کو تنگ کرنا، غیبت، الزام تراشی، حسد وغیرہ، غصّہ، انتقام، عام آدابِ تمدن، صحت اور صفائی، کھانا پینا، لباس، زیب و زینت، خرچ اخراجات، میاں بیوی کے تعلقات، گھر کی زندگی، متعلقین کے ساتھ برتاؤ۔ اولاد، والدین، رشتہ دار، ملازمین اور ماتحت۔ ہمسایہ، دوست، یتیم، حاجت مند مساکین سائل، مسافر، قرض، ایفائے عہد، امانت، باہمی مشورہ، تعاون، میل جول۔ اصلاحِ خویش اور غیر مسلموں کیساتھ برتاؤ۔

• ___ "عورت اور قرآن"، بہار (انڈیا) کی مسلم محترم خاتون، جمیلہ خاتون کی کتاب کا چونکا دینے والا اقتباس ہے، جس میں مستند حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا کے چالیس غیر مسلم ممالک نے عورت کو مَرد کے مساوی حقوق عطا کرائے ہیں اور ان ممالک میں عورت کی ثانوی حیثیت نہیں ہے لیکن جن ممالک کو اسلامی ہونے اور کہلوانے کا دعویٰ ہے اور جو "قرآن بردار" کہلاتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی عورت کو وہ مقام نہیں دیا جسے قرآنی تو بہت دُور کی بات ہے انسانی بھی نہیں کہا جا سکتا۔ مضمون میں ان تمام ملکوں کے نام اور آزادیٔ نسواں کے اعلان کا سال درج ہے۔ مضمون پڑھ کر کوئی بھی حسّاس دِل ایسا نہیں ہے جو متأثر نہ ہو۔

• ___ "کیا ہمیں قرآن عزیز ہے؟" یہ عنوان ہے محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ کے مضمون کا۔ بہت خوبصورت مضمون ہے۔ چھ صفحات کے اس مضمون میں محترمہ ثریا صاحبہ نے ہم پر واضح کیا ہے کہ کتنے ہی ایسے کام ہیں جنہیں ہم قرآنی احکام سمجھ کر انجام دیتے ہیں لیکن ان کا دُور دُور تک قرآنِ کریم کے کسی گوشے میں کہیں نام ونشان

تک نہیں ملتا۔ اور اگر کہیں کوئی ذکر نظر بھی آتا ہے تو اس کا مفہوم بالکل ہی مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن پاک کی تلاوت کا مفہوم —، تعویذ چلّہ وغیرہ ، وظائف ، بغیر حدیث کے قرآن کو ماننا ، وصیّت ، رجم یعنی سنگسار کرنا وغیرہ۔

• —— "مودودیؒ، غلام احمد پرویزؒ اور ڈاکٹر اسرار احمد کی فکر خام اور تحریکیں ناکام ہیں" یہ جملہ اس دور کے ابھرتے ہوئے ایک روایتی مذہبی "مولانا" طاہر القادری صاحب کا ہے جو اُن کے ایک مضمون مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت ۱۱ جنوری ۱۹۹۰ء سے لیا گیا ہے اور بطور "عنوانِ مضمون" منتخب کیا گیا ہے۔

ادارہ طلوعِ اسلام نے نہ صرف ان کے اس جملہ کا تجزیہ تاریخی شواہد و حقائق کی روشنی میں کیا ہے، بلکہ بزرگ قرآنی سکالر جناب ڈاکٹر عبدالودود صاحب سے لیا ہوا ایک انٹرویو بھی من وعن شائع کر دیا ہے جس میں طاہر القادری صاحب کے بارے میں انکشاف کیا گیا ہے کہ وہ پیشاب اور خون پینا بھی جائز سمجھتے ہیں۔ جس سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ طاہر القادری صاحب کس پایہ کے عالم ہیں۔

• —— "حقائق و عبر" میں تعجب خیز مگر خوش آئند تحریر سرِ عنوان ہے کہ دارالعلوم جامعہ نعیمیہ لاہور کے علماء نے علامہ غلام احمد پرویزؒ کو زبردست خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ اس دارالعلوم کی جانب سے ماہنامہ عرفات شائع ہوتا ہے۔ اس ماہنامہ کی نومبر اور دسمبر ۱۹۸۹ء کی اشاعت کو لاہور کے مفسرین اور مترجمین قرآنِ مجید کیلئے وقف کیا گیا ہے۔ اس میں پرویز صاحبؒ کا تعارف بطور مفسر قرآن شاندار الفاظ میں کرایا گیا ہے اور پرویز صاحبؒ کی چار نادر و بے مثل کتب مفہوم القرآن، تبویب القرآن، لغات القرآن اور مطالب الفرقان کا خصوصی طور پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی انکشاف کیا گیا ہے۔ مانڈیال یونیورسٹی (کینیڈا) کے ایک طالب علم نے غلام احمد پرویزؒ پر، مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی زیرِ نگرانی پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ تحریر کیا تھا۔ اور گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کا مجلّہ "علم و آگہی" نے اپنے خصوصی شمارے ۷۵-۱۹۷۴ء میں پرویز صاحبؒ کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے اور قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی رسالہ طلوعِ اسلام سے دلچسپی ظاہر کی ہے۔

• —— "بچوں کا صفحہ" دن بدن اہمیت اختیار کرتا جا رہا ہے اور ملک سے باہر کے ممالک میں بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے اس مرتبہ اس کا عنوان "ایمان" ہے اور ایمان کا مفہوم قرآنی کیا ہے۔ اسے بالکل جدید اور سائنٹیفک طریقے سے نہائت آسان زبان میں سمجھایا اور بتایا گیا ہے۔

آخر میں پرویز علیہ الرحمتہ کا انگریزی زبان میں ایک معرکتہ الآراء مضمون شائع کیا گیا ہے۔ عنوان ہے "ONLY ONE QUESTION" یہ مضمون اردو زبان میں تحریر کیا گیا ہے۔ جس کا رواں اور شستہ ترجمہ محترم عبیدالرحمٰن ارائیں صاحب (کویت) نے کیا ہے اور ادارہ نے قندِ مکرر کے طور پر اسے شائع

گیا ہے ـــــ مضمون گیارہ ۱۱ صفحات پر مشتمل ہے ـــــ مضمون کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ "سوال" سے لگایا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم صدیوں سے سنتے چلے آرہے ہیں کہ تمام مسلمان، فرقوں، گروہوں اور نسلوں میں بٹ گئے ہیں اور حقیقی اسلام کو ترک کر چکے ہیں ـــــ مانا کہ یہ درست اور سچ ہے لیکن کیا کسی ایک نے بھی کبھی اس پر غور کیا کہ وہ کیا وجہ تھی جس سے تمام امتِ واحدہ بکھر کر رہ گئی اور پارہ پارہ ہو گئی ـــــ بڑی دلخراش داستان ہے اور بڑا ہی بصیرت افروز تجزیہ اور جواب ہے۔

رسالہ کے شروع میں ایک اہم اعلان ہے کہ ادارہ طلوعِ اسلام ۲۳ فروری ۱۹۹۰ء کو قراردادِ پاکستان کی گولڈن جوبلی کی تقریب کے سلسلے میں واپڈا آڈیٹوریم، واپڈا ہاؤس لاہور میں ایک سیمینار کا اہتمام کر رہا ہے۔ اس شمارے میں بھی مسلم اور بخاری کی دو احادیث شائع کی گئی ہیں ـــــ شمارہ کی ضخامت حسبِ سابق اسّی ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت وہی پانچ روپے ہے۔ خوبصورت سرورق کے ساتھ آفسٹ پرنٹنگ میں شائع ہوا ہے۔

مارچ

مارچ کا عہد آفریں شمارہ، تاریخ ساز اور یادگار مہینے کی نوید لے کر آیا ہے۔ چار باتیں مرکزِ توجہ بنی ہیں۔

۱ تقریباً گیارہ کروڑ آبادی کے ملک پاکستان میں سب سے پہلے ادارۂ طلوعِ اسلام نے قراردادِ پاکستان کی گولڈن جوبلی منائی ہے۔

۲ طلوعِ اسلام کا سالانہ کنونشن پہلی مرتبہ گھر کی چار دیواری سے باہر "عوامی جلسہ گاہ" میں منعقد ہوا ہے۔

۳ علامہ غلام احمد پرویزؒ کی زندگی بھر کی محنت و کاوش کا ماحصل "مفہوم القرآن" انگریزی ایڈیشن منظرِ عام پر آیا ہے۔

۴ علامہ پرویز صاحبؒ کی جو خدماتِ جلیلہ تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں تھیں، ان کا اعتراف پہلی مرتبہ سرکاری طور پر کیا گیا ہے، اور حکومتِ پنجاب کی طرف سے "گولڈ میڈل" دیا گیا ہے۔

یہ شمارہ اسی حوالہ سے منظرِ عام پر آیا ہے اور "خصوصی نمبر" کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں بیشتر مضامین وہی ہیں جو سیمینار میں پڑھے گئے ہیں۔ اس سیمینار کا آنکھوں دیکھا حال اور مکمل روئیداد بھی اسی شمارہ میں شائع ہوئی ہے جو راقم (قاسم نوری) ہی کی مرتب کردہ ہے۔ رسالہ میں "لمعات" کے علاوہ سات مضامین نگار کے نام شاملِ فہرست ہیں۔ ـــــ "لمعات" کا موضوع انتہائی حساس اور نازک ہے۔ کشمیر جسے بانیٔ پاکستان قائدِ اعظمؒ نے بلاشبہ پاکستان کی شہ رگ سے تعبیر کیا تھا اور اصولِ تقسیم کے مطابق جسے پاکستان میں شامل ہونا چاہیئے تھا اور جو تا دمِ تحریر اقوامِ متحدہ میں فیصلہ طلب مسئلہ ہے۔ ہنوز بھارت اور ہندو کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ وہاں کے عوام کی بڑی اکثریت اس قبضہ کے خلاف بیالیس سال سے چیخ رہی ہے اور آزادی کے لئے "سراپا جدوجہد" بنی ہوئی ہے ـــــ بھارت کی ہر حکومت نے ان کے جذبۂ آزادی کو پائمال کیا اور کچلا ہے ـــــ مدیرِ طلوعِ اسلام نے

لمعات کے صفحات میں اپنی حکومت اور عوام اور لیڈروں کی توجّہ دلائی ہے کہ وہ مقبوضہ کشمیر کے عوام کو آزادی دلانے کے لئے ٹھوس اور عملی فیصلے کریں اور مثبت پالیسی بنائیں۔ طلوعِ اسلام نے بڑی کاوش سے وہ سارے حقائق "لمعات" میں یکجا کر دیئے ہیں۔ جو بھارت کے ظلم و ستم کے مُنہ بولتے تاریخی ثبوت ہیں اور ان ریاستوں کی بھی فہرست شائع کر دی ہے جنہیں بھارت لقمۂ تر کی طرح ہڑپ کر چکا ہے۔

• ——— "علاّمہ غلام احمد پرویزؒ کی شخصیت اور منفرد علمی کارنامے" یہ عنوان ہے جناب محمد ارشاد صاحب کے مضمون کا۔ محمد ارشاد صاحب تحریکِ طلوعِ اسلام سے فکری طور پر عرصۂ دراز سے وابستہ ہیں ——— گاہ گاہ طلوعِ اسلام کے لئے مضامین وغیرہ بھی لکھتے رہتے ہیں۔ اپنے اس مضمون میں انہوں نے محترم پرویز صاحبؒ کی شخصیت کے بارے میں صرف دو صفحات میں جو مواد مہیّا کیا ہے وہ "اونٹ کے مُنہ میں زیرہ" کے مصداق ہے۔ علاّمہ موصوف کی شخصیت سمندر کی طرح گہری اور وسیع اور مینار کی طرح بلند اور روشن تھی اور ان پر کچھ لکھنے کے لئے سچ تو یہ ہے کہ بقولِ غالب ؏ سفینہ چاہیئے اس بحرِ بےکراں کے لئے۔ لیکن "نو واردگانِ بساطِ ہوائے دل" کے لئے بہرحال یہ بھی غنیمت ہے۔ البتہ محمد ارشاد صاحب نے "تاریخ تفسیر قرآن" کا جس طرح مختصر سا جائزہ لیا ہے اور علاّمہ پرویزؒ کی کُتب کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے وہ قابلِ پذیرائی ہے۔

• ——— "روزوں کا مقصد" علاّمہ پرویزؒ کا درحقیقت قرآنی درس ہے جسے مضمون کی شکل میں شائع کیا گیا ہے مضمون چھ ۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہمارے ہاں رمضان اور روزہ کا مروّجہ مفہوم کیا ہے اور قرآن کے نزدیک کیا ہے۔ اس فرق کو جس طرح علاّمہ موصوف نے واضح اور بیان کیا ہے اس سے چشمِ بصیرت حیران رہ جاتی ہے ——— شاید اسی لئے ادارہ کی طرف سے مضمون کے آخر میں ایک جملہ کا اضافہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ "یہ ہوتا ہے اندازِ محترم پرویز صاحب کے درسِ قرآن کا"۔

• ——— "پیغام بہ ملّتِ پاکستانیہ" یہ ایک طویل نظم ہے جو ایک اسی سالہ بزرگ ظہیر نیاز بیگی کی تخلیق ہے۔ ظہیر صاحب مسلم لیگ اور قائدِ اعظم کے جلسوں میں نظمیں پڑھنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ انہیں حکومتِ پنجاب کی طرف سے گولڈ میڈل بھی مل چکا ہے۔ یہ نظم انہوں نے ادارہ طلوعِ اسلام کی طرف سے منعقد ہونے والے سیمینار میں بڑے جوش اور جذبہ سے پڑھی تھی۔

ڈرو خدا سے، فکر کرو کچھ، مکر و ریا سے کام نہ لو
یا اسلام پہ چلنا سیکھو یا اسلام کا نام نہ لو

• ——— "نورِ مبین" کا سلسلہ کافی پسند کیا گیا ہے "موضوع آپ دیجیے، قرآنی راہنمائی طلوعِ اسلام پیش کرے گا"۔ کی دعوت کو کافی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ اس مرتبہ موضوع ہے "آدم"۔ قرآنِ کریم اس بارے

میں کیا کہتا ہے۔ وہ علامہ پرویز صاحبؒ کی کتاب "تبویب القرآن" سے لے کر یہاں شائع کیا گیا ہے اور اتنا جامع ہے کہ کسی تشنگی کا احساس نہیں رہتا۔

• "قائدِ اعظمؒ اور قرآن مجید" یہ بھی علامہ غلام احمد پرویزؒ کا ہی بصیرت افروز مقالہ ہے جو قندِ مکرّر کے طور پر شائع ہوا ہے۔ تحریکِ پاکستان، قائدِ اعظمؒ کی شخصیت اور قائدانہ صلاحیتیں۔ قرآن سے قائدِ اعظمؒ کا لگاؤ اور ان کی بصیرتِ قرآنی ــــ نئی مملکت کے مقاصد۔ یہ سب باتیں تاریخی حوالوں سے پرویز صاحبؒ کے مضمون کا متن ہیں اور اس موضوع پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

• "وَاللّٰہُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ" جناب آصف جاوید صاحب کا خوب صورت مضمون ہے۔ کیا واقعی اللہ رازق، یعنی سب کو رزق دینے والا ہے؟ ــــ وہ اپنی یہ ذمہ داری کس طرح پوری کرتا ہے اسے حسین اور سہل زبان میں سمجھایا گیا ہے۔ مضمون صرف تین مختصر صفحات پر مشتمل ہے اور انتہائی جامع ہے۔

• "ایک کتاب جس نے میری زندگی بدل دی" میانوالی کے جناب محمد قاسم خان صاحب کی تحریر ہے۔ یہ دراصل مضمون نگار کے اپنے قلب و ذہن میں انقلابی تبدیلی کے واقعات پر مبنی آپ بیتی ہے کہ ان کا گھرانہ دیوبندی اثرات میں گھرا ہوا تھا کہ ایک دن اُن کی نظر پرویز صاحبؒ کی کتاب "اسبابِ زوالِ امت" پر پڑی اور اس کتاب نے ان کی زندگی اور زندگی کے مفہوم کو ہی بدل کر رکھ دیا۔

• "فکری تکون ــــ سرسیدؒ، اقبالؒ، پرویزؒ" پانچ صفحات پر مشتمل یہ مضمون اختر وسیم ڈار صاحب کا ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ اسلامی افکار پر صدیوں سے جمی ہوئی گرد کو جس "تکون" کی قرآنی و فکری بصیرت نے فرو کیا ہے وہ حقیقتاً یہی تین مفکرینِ کتاب ہیں اور "سراب زدہ" ذہنِ علماء نے انہی تینوں کو کافر مرتد ٹھہرایا ہے۔

"سرنگاپٹم" (انڈیا) کے مقام پر ۱۷۹۹ء میں سلطان ٹیپو کی شہادت سے لے کر فروری ۱۹۸۵ء میں علامہ پرویزؒ کی وفات تک، ہند میں اسلام پر کیا گذری اور سرسیدؒ و اقبالؒ و پرویزؒ کی قرآنی سوچ نے کیا رول ادا کیا، یہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

• بچوں کے صفحات میں اس مرتبہ "وطن" کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مارچ کی اہمیت اہلِ پاکستان کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس ماہ میں پاکستان بنانے کی قرارداد پاس ہوئی تھی اور تحریکِ پاکستان نے عملی جدوجہد کا سفر تیز تر کر دیا تھا۔ اسی مناسبت سے ضروری تھا کہ بچوں کو بھی وطن کے "اسلامی تصور" سے آگاہ کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ جب سارا کرۂ ارض مومن کا وطن ہوا کرتا ہے اور سرحدوں کی لکیریں غیر ضروری ہوتی ہیں تو پاکستان اللہ اور قرآن کے نام پر کیوں بنایا گیا؟ یا اس ملک کی دینی حیثیت کیا ہے؟

——"استقبالیہ" طلوعِ اسلام سیمینار، قراردادِ پاکستان کی گولڈن جوبلی کے سلسلہ میں ۲۳ فروری ۹۰ء کو واپڈا آڈیٹوریم لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر سیمینار کی آرگنائزنگ کمیٹی کی طرف سے مندوبین کو محمد عمر دراز صاحب کی طرف سے ایک استقبالیہ پیش کیا گیا تھا —— سچ پوچھئے تو یہ استقبالیہ اس کتاب سیمینار کا پیش لفظ ہے اور دیباچۂ کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مختصر سے استقبالیہ سے بھی تحریکِ پاکستان کے مقاصد اور قراردادِ پاکستان کا صحیح تصوّر اُبھر کر سامنے آجاتا ہے۔

اور اس کے بعد "طلوعِ اسلام سیمینار ۱۹۹۰ء" کی مکمل رپورٹ ہے جو قاسم نوری کی مرتب کردہ ہے۔ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ سیمینار کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہو جو COVER ہونے سے رہ جائے۔ لحظہ لحظہ اور لمحہ لمحہ کی روئیداد ہے۔ اس کے اہم ترین پہلو یہ ہیں:۔

۱ طلوعِ اسلام کی انتظامیہ پہلی مرتبہ اپنی اجتہادی سوچ کو ادارے کی چار دیواری سے نکال کر عوام الناس تک لے گئی اور اس طرح پرویز صاحبؒ کی قرآنی فکر کو حدود ناآشنا کیا۔
۲ سیمینار کے ذریعہ "مفہوم القرآن" کے انگریزی ایڈیشن کی رونمائی ہوئی۔
۳ تحریکِ پاکستان کے حوالہ سے علامہ غلام احمد پرویزؒ کی مساعیٔ جمیلہ منظرِ عام پر آئیں۔
۴ پہلی مرتبہ طلوعِ اسلام نے اپنی سٹیج پر باہر کے لوگوں کو بھی عزت دی۔ اس سیمینار میں شرکت کے لئے کینیڈا، کویت اور سعودی عرب سے بھی مندوبین نے شرکت کی۔

سادہ اور پُروقار سرورق ہے۔ قیمت وہی پانچ روپے ہے اور آفسٹ پرنٹنگ میں شائع ہوا ہے۔ صفحات اسّی ہیں۔

اپریل

اپریل کا شمارہ "قراردادِ پاکستان گولڈن جوبلی نمبر" ہے اور گذشتہ ماہ ادارہ طلوعِ اسلام کی طرف سے منعقدہ سیمینار میں جو مقالے پڑھے گئے تھے وہ اس شمارہ کی زینت ہیں۔ اس کی افادیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ سیمینار میں پڑھے جانے والے مضامین کے علاوہ اس شمارہ میں کسی اور چیز کو شامل نہیں کیا گیا اور طلوعِ اسلام کی تاریخ میں شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ تمام مستقل عنوانات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہو —— چنانچہ سوائے "لمعات" کے —— کہ اس کے بغیر کسی جریدے کا تصوّر ہی نہیں کیا جاسکتا —— نہ اس میں حقائق و عبر ہیں، نہ نقد و نظر، نہ بچوں کے صفحات، نہ نورِ مبین، نہ قرآن اور عورت حتیٰ کہ کُتب کی فہرست اور ادارہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً ہونے والے اعلانات تک نظر نہیں آتے۔

اس شمارہ کا انتساب علامہ اقبالؒ کے لئے ہے اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ وہ مصوّرِ پاکستان ہیں

دوسرے اسی ماہ ان کا انتقال بھی ہوا تھا۔ ــــــ اور سب سے اہم وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ "اس پرچہ میں مرقوم داستان ہے جادۂ مستقیم پر گامزن، اس کاروانِ ملّت کی جس کی ترسیل خود حضرت علامہ نے فرمائی تھی"۔ لمعات کا موضوع بھی تحریکِ پاکستان ہی سے متعلق ہے ــــــ بالترتیب جو عنوانات سامنے آتے ہیں وہ اس طرح ہیں۔

۱ حصولِ پاکستان کے بعد دو قومی نظریہ سے ہمارا مذاق ۲ تحریکِ پاکستان ۳ تحریکِ پاکستان کے مقاصد ۴ AN EXERCISE IN SELF ANALYSIS BY SHAMIM ANWAR

اور لکھنے والے ہیں، اعزاز الدین احمد خان، ڈاکٹر صلاح الدین اکبر، پیرزادہ محمد انور چشتی، قمر پرویز، محترمہ عارفی سلطانہ، غلام رسول ازہر، محترمہ شمیم انور

گذشتہ ماہ سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا گیا ہے "قرآن نے کیا کہا" یہ رسالہ کے گردپوش کے اندر کے صفحہ پر آرٹ پیپر پر شائع ہوتا ہے۔ اس مرتبہ قرآن کے الفاظ میں کافر اور مومن کے فرق کو واضح کیا گیا ہے۔ اس شمارہ میں ترمذی، بخاری، کتاب التوضیع والتلویم کی چار احادیث شائع کی گئی ہیں۔

مئی

اس ماہ کا شمارہ بھی کچھ کم اہم نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو مقالات طلوعِ اسلام سیمینار میں وقت کی کمی کے باعث نہ پڑھے جا سکے تھے ایڈیٹر طلوعِ اسلام نے ان کی افادیت کے پیشِ نظر انہیں دامنِ طلوعِ اسلام میں محفوظ کر کے صحافتی دیانت و فرض شناسی کی احسن روایت قائم کی ہے۔

• ــــــ "لمعات" مدیر طلوعِ اسلام کی ژرف نگاہی اور سیاسی بصیرت کا آئینہ ہے۔ حالاتِ حاضرہ پر ان کی نگاہوں کی گرفت کس قدر شدید ہے اس کا اندازہ ہر شمارہ کے 'لمعات' سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس ماہ کے پہلے پندرھواڑے میں ایک ایک دن میں پیش آنے والے سیاسی اور سماجی حالات اور ملک میں ابتری کے رجحانات، تاریخ وار شائع کئے گئے ہیں اور بڑی دلسوزی کے ساتھ احساس دلایا ہے کہ اگر یہی شب و روز رہے تو ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔

• ــــــ "کشمیر جل رہا ہے" جناب غلام رسول ازہر صاحب کی طویل نظم کا عنوان ہے۔ نظم تین صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ کشمیر کی زبوں حالی اور ہندو کے غاصبانہ بلکہ ظالمانہ قبضہ کی ہولناکیوں کا احساس دلاتی ہے۔

• ــــــ "سیاسی جماعتیں اور اسلام" جناب عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ پشاور کی تحریر ہے اور ان ہی کے

الفاظ میں اس مقالہ کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد نے اپنے ایک پبلک نوٹس کے ذریعہ ۲۰۔ اپریل ۱۹۸۹ء کو اٹھارہ سوالات پر مبنی ایک سوال نامہ اخبارات میں جاری کیا۔ سوالات کا لبِ لباب یہ تھا کہ "آیا اسلام میں سیاسی جماعتوں کا وجود ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس حد تک ؟

• ـــــ جناب عبداللہ ثانی نے تمام سوالات کو یکجا کیا اور ان کا تفصیلی جواب قرآنِ حکیم کی روشنی میں وفاقی شرعی عدالت کو بھیج دیا۔ یہ وہی جواب ہے جو مقالہ کی شکل میں نذرِ قارئین کیا گیا ہے۔ میرے نزدیک اس کی افادیت اس قدر مسلم ہے کہ اسے علیحدہ پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع ہونا چاہیئے اور قندِ مکرّر کے طور پر بار بار طلوعِ اسلام میں شائع ہونا چاہیئے۔ مضمون طلوعِ اسلام کے ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

• ـــــ "بیادِ سرسیدؒ" یہ مضمون علامہ پرویزؒ کے خطاب سے ماخوذ ہے۔ ۲۴ مئی کو چونکہ علی گڑھ مسلم بوائز سکول کی بنیاد جناب سرسید احمد خاں علیہ الرحمۃ کے ہاتھ سے رکھی گئی تھی۔ لہٰذا اس دن کی یاد میں ادارہ طلوعِ اسلام نے وہ دعا جو سرسیدؒ نے بنیاد کا پتھر رکھتے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور کی تھی شائع کی ہے چند سطور اس خطاب سے دی ہیں جو سرسیدؒ نے طلباء سے کیا تھا اور وہ جواب بھی شامل کر دیا ہے جو ان پر کفر کے فتویٰ کی صورت میں لگایا گیا تھا۔

• ـــــ "منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی" یہ اس خطاب کا عنوان ہے جو مس روبینہ صادق نے بسلسلہ گولڈن جوبلی قراردادِ پاکستان، واپڈا آڈیٹوریم لاہور میں ایک عظیم اور بڑے جلسۂ عام سے کیا تھا ہر چند کہ مس روبینہ صادق کی یہ پہلی کاوش اور پبلک سٹیج پر پہلا خطاب تھا لیکن اسے زبردست پذیرائی حاصل ہوئی۔ اس مضمون میں مس روبینہ نے بتایا ہے کہ یہ امتِ اسلامیہ جو آج لالۂ صحرا کی طرح تنہا رہ گئی ہے کس منزل کی تلاش میں ہے پاکستان کی صورت میں منزل تو اسے مل چکی ہے۔ اب تو ضرورت اس منزل کے تحفظ کی ہے اور تحفظ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جس نام اور مقصد کو سامنے رکھ کر یہ ملک تعمیر کیا گیا ہے اس کو (یعنی قرآنِ کریم کو) بطور آئین اور بطور ضابطۂ حیات نافذ کیا جائے۔

• ـــــ "حقیقت خرافات میں کھو گئی" یہ مضمون بھی سیمینار میں پیش کئے جانے والا وہ خطاب تھا جو قلتِ وقت کی وجہ سے قاضی وقار حسن صاحب نہ کر سکے۔ حقیقت کیا ہے ؟ حقیقت جاننے کا معیار کیا ہے ؟ وحیٔ الٰہی اس کی نشاندہی کیسے کرتی ہے ؟ وحی کے نزول کے وقت دنیا کی حالت کیا تھی ؟ وحی کے اصول اپنانے سے کیسے شاندار نتائج برآمد ہو گئے ؟ اور بعد میں وحی کے ان غیر متبدل اصولوں کے ساتھ کیا سازش ہوئی ؟ اور آج اسلام کی کیا حالت ہے ؟ قاضی وقار حسن صاحب کے مضمون کے اہم ترین نکات ہیں مضمون مختصر ہے مگر بہت اہم ہے۔

• ــــــ ملکی قانون اور حقوقِ نسواں : محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ کا یہ مقالہ بھی سیمینار کے لئے تھا۔ اور محض وقت کم رہ جانے کے باعث پڑھا نہ جاسکا۔ لیکن اس مقالہ کی اپنی انفرادیت ہے اور ایک قانونی اہمیت ہے ـــــ وفاقی شرعی عدالت اور شرعی ـــــ بینچ سپریم کورٹ کے سامنے متعدد حوالوں سے حقوقِ نسواں کے معاملات زیرِ غور آئے اور فیصلے ہوئے۔ ان فیصلوں میں ایک فیصلہ یہ بھی تھا کہ عورت قاضی یا حاکم یا سربراہِ مملکت بن سکتی ہے یا نہیں۔ شرعی عدالت نے اس کے حق میں فیصلہ دیا۔ اسی طرح "الرّجال قوامون علی النّساء" قرآن کی اس آیت سے یہ مفہوم نکالنا کہ مرد، عورتوں پر حاکم یا داروغہ ہیں۔ عدالت نے اسے غیر شرعی اور غیر قانونی قرار دیا۔ پردے کے بارے میں بھی عدالت نے فیصلہ دیا کہ "عورت کا چہرہ اور ہاتھ پردے سے مستثنیٰ ہیں"۔ شہادت یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے، اسے بھی غیر قرآنی کہا اور فیصلہ دیا کہ ایک عورت کی گواہی بھی ایک مرد کے برابر تسلیم کی جائے گی ـــــ وغیرہ۔ یہ فیصلے صدر ضیاء الحق کے خالصتاً آمرانہ دور میں سپریم کورٹ نے کئے ان کی حیثیت قانونی اور شرعی ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخی بھی ہیں۔

• ــــــ اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام :۔ راقم (قاسم نوری) کا مضمون ہے۔ یہ مضمون طلوعِ اسلام کے سیمینار کے لئے خصوصی طور پر تحریر کیا گیا تھا اور تنگیٔ وقت کی وجہ سے پڑھا نہ جاسکا تھا۔ مضمون مختصر ہے اور اس میں تاریخی اور قرآنی حوالوں سے یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کے ہر دور اور سماج میں عورت کو مرد سے کم تر سمجھا گیا ہے اور صرف قرآن تھا جس نے اس تصور کو باطل قرار دیا اور عورت کو بھی "انسان کی صف" میں لا کھڑا کیا

• ــــــ حقائق و عبر :۔ مختلف فرقوں کے ترجمان اخبار اور رسالے بعض اوقات ایسی ایسی باتیں شائع کرتے ہیں جنہیں پڑھ کر عقلِ سلیم سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔ اس شمارہ میں چار ایسے ہی موضوعات ہیں۔ ایک میں رائے ونڈ کو خانہ کعبہ پر فضیلت دی ہوئی ہے اور اس راستے میں ایک نماز کا ثواب انچاس کروڑ کے برابر قرار دیا ہے ـ دوسرے میں پاکستان کے جاگیرداروں کی اکثریت کو غدارانِ قوم کی اولاد اور نسل ثابت کیا ہے تیسرے میں میاں نورانی کی طرف سے ایک مضحکہ خیز الزام کی بات کی گئی ہے کہ ایک "بے داغ شرعی نمازی" نے دس لاکھ روپے نقد، سینیٹ کی ایک سیٹ اور ۲۰۰ کنال اراضی کے عوض مقامِ مصطفےٰؐ کو رہن رکھ دیا ہے اور چوتھے میں (بھارت میں) بھاگلپور بہار کے حالیہ فسادات کی خونچکاں داستان کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ تاریخ کا سب سے زیادہ خوفناک اور شرمناک فساد ہے۔

• ــــــ اسلام :۔ بچوں کے صفحات میں اس مرتبہ "اسلام" کا تعارف کرایا گیا ہے اور پہلی قسط میں

یہ سمجھایا گیا ہے کہ دین اور مذہب میں فرق کیا ہوتا ہے۔
• ـــــ (ECONOMICS IN THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM) یعنی اسلام کا معاشی نظام۔ چودہ صفحات پر مشتمل یہ مضمون ادارہ کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ اور ایک طرح سے پرویز صاحبؒ کی کتاب نظامِ ربوبیت ہی کا خلاصہ ہے۔

جون ۱۹۹۰ء

اپنے مندرجات کے اعتبار سے منفرد شمارہ ہے۔ پہلے صفحہ سے لیکر آخری صفحہ تک ہر سطر نظر گیر ہے۔ بلاشبہ پرچہ کی ترتیب مضامین کا انتخاب اور اشاعت کا سلیقہ قابلِ ستائش ہے۔

• ـــــ لمعات :۔ اگر ۱۹۳۸ء سے آج تک کے لمعات کو طلوعِ اسلام کی فائل سے نکال کر کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تو میرے خیال میں اس سے معتبر اور مکمل تاریخ عوام الناس کو شاید ہی کہیں اور سے مل سکے حالاتِ حاضرہ کا احاطہ جس طرح سے لمعات میں کیا جاتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مقامِ مسرت ہے کہ طلوعِ اسلام کی اس روایت کو علامہ پرویزؒ کی وفات کے بعد بھی فدایانِ فکرِ قرآنی نے برقرار رکھا ہے۔ اس ماہ کے لمعات کا سٹائل بالکل ہی جداگانہ اور منفرد ہے۔ عنوان ہے "ایک خط، ایک نوحہ بنام ایڈیٹر" اور اس کا نفسِ مضمون ان سوالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (۱) کیا نیکی کا بدلہ نیکی ہے؟ (۲) کیا سچ واقعی اچھی چیز ہے؟ (۳) کیا حق کا بول بالا ہے۔ (۴) کیا ایمان ہی سب سے بڑی دولت ہے؟ (۵) کیا محنت میں واقعی عظمت ہے؟ (۶) کیا رشوت واقعی بُری چیز ہے (۷) اور کیا انصاف نام کی کوئی چیز واقعی موجود ہے؟

• ـــــ اسلام میں پارٹیوں کی اجازت نہیں :۔ ہر چند کہ مضمون نگار کا نام درج نہیں ہے اور "فہرست مضامین" میں مضمون نگار کے نام کی جگہ ادارہ لکھا گیا ہے اور مجلہ طلوعِ اسلام اپریل ۱۹۷۸ء سے ماخوذ کیا گیا ہے۔ لیکن انداز بیان سے لگتا ہے کہ پرویز صاحبؒ ہی نے تحریر کیا ہوگا۔ بے شمار قرآنی حوالوں سے واضح کیا گیا ہے کہ اسلام میں نہ فرقہ ہے نہ جماعت اور نہ کوئی سیاسی پارٹی ہے بلکہ اسلام میں گروہ بندی، فرقہ سازی اور پارٹی بازی شرک اور بدترین قسم کا شرک قرار پاتی ہے

• ـــــ نورِ مبین :۔ حسبِ سابق پرویز صاحبؒ کی معرکۃ الآراء کتاب 'تبویب القرآن' سے ماخوذ تحریر ہے اس مرتبہ کا عنوان ہے "اعمال" اور ذیلی عنوانات ہیں (۱) جنت اور ہر قسم کے خوشگوار نتائج ایمان وعمل کا نتیجہ ہیں ۲۔ ایمان وعمل کا نتیجہ بے خوفی (۳) ایمان۔ بلا عمل کچھ فائدہ نہیں دیتا (۴) عمل بلا ایمان نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ ۵

کام کرنے والے اور نہ کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ (۶) ایمان و اعمال صالحہ ۔ (۷) دین کی صداقت کی نشانی مومنین کے اعمال کے نتائج ہیں۔

اس کے علاوہ متفرقات بھی ہیں۔ ہر عنوان کے ساتھ اس کی وضاحت اور قرآن کریم کے تفصیلی حوالے موجود ہیں۔

• ـــــ مجبوریاں :۔ صرف ایک صفحہ کا مضمون ہے۔ طلوعِ اسلام جون ۱۹۴۹ء سے ماخوذ ہے۔ مضمون نگار کا نام اس پر بھی درج نہیں۔ ایک شگفتہ تحریر ہے جس میں بتایا یہ گیا ہے کہ عورتوں کی بے باکانہ نمائش حسن پر غصے مت ہوں اور نہ کڑھیں کوسیں بلکہ آپ اپنی نگاہوں کو روک لیجئے! یہ نمائش خود بخود ختم ہو جائے گی ـــ اور حسنِ عُریاں جو ہرِ مستور بننے پر مجبور ہو جائے گا۔

• ـــــ عورت اور قرآن :۔ محترمہ جمیلہ خاتون (بہار۔ بھارت) کی اس کتاب سے تیسری قسط شائع کی گئی ہے۔ نہایت سلیس زبان میں خوبصورت باتیں کی گئی ہیں۔ اس کتاب کا تعارف زیرِ نظر مضمون میں ان الفاظ میں کرایا گیا ہے "شروع ہی سے یہ خیال رکھا گیا کہ مسلمان عورت، قرآن شریف سے باخبر نہ ہونے پائے اس لئے نہ ہمیں باضابطہ اتنی تعلیم دلائی جاتی ہے کہ ہم اپنے حقوق و مسائل کا احساس کر سکیں، نہ ہماری زبان عربی ہے کہ ہم اسے سمجھ سکیں، نہ قرآن مجید کو ہمیں ترجمہ کے ساتھ باقاعدہ پڑھایا جاتا ہے کہ ہمیں کچھ معلوم ہو سکے۔ حد تو یہ ہے کہ عام طور پر جہیز کے سامان کے ساتھ قرآن مجید کا جو نسخہ دیا جاتا ہے وہ بھی بے ترجمہ تاکہ عورت یہ نہ جان لے کہ اللہ نے مسلمان عورت کو کیا کیا حقوق دیئے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب کے وجود میں آنے کا محرک یہی جذبہ ہے۔"

• ـــــ امتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں :۔ صوبیدار میجر محمود الحسن صاحب کے اس مضمون میں بڑے ہی دلنشین انداز میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبرؐ کا دم بھرنے والی امت عملاً کس کس طرح تعلیمِ پیغمبرؐ کی تکذیب کرتی ہے۔ متعدد احادیث اور اولیائے کرام و بزرگانِ مذہب کے اقوال و معجزات کا ذکر جس انداز سے کیا ہوا ہے اسے پڑھ کر شرم سے آنکھیں جھک جاتی ہیں کہ عقیدت کے اندھے پن اور اپنی غرض و ہوس کے جواز کے لئے اللہ کے برگزیدہ رسولوں کے کردار تک کو داغدار کرنے سے گریز نہیں کیا۔ مضمون کی تیاری میں کافی محنت کی گئی ہے اور اسلوبِ بیان کی داد دینی پڑتی ہے۔ مضمون فی الواقع لاجواب ہے۔

• ـــــ جناب بشیر احمد عابد صاحب نے اس شمارہ کے لئے بہت اہم مضمون لکھا ہے۔ قرآن کریم کی ایک آیت کو ہی مضمون کا عنوان بنایا ہے۔ آیت ہے "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔ انسان کی ذات کیا ہوتی ہے۔ اس کی نشو و نما کس طرح کی جاتی ہے۔ انسانی زندگی کا نصب العین کیا ہے؟ کیا تنہا عقل سے انسانی ذات کو سمجھا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کون سے قوانین اور طریقے بتلائے ہیں جن سے ایک عام انسان اپنی ذات کی تکمیل کر سکتا ہے۔ کیا جسم اور جسمانی تقاضے ذات کی نشو و نما اور تکمیل میں رکاوٹ بنتے

ہیں۔ یہ سب وہ سوال ہیں جو بشیر احمد عابد صاحب کے سامنے رہے ہیں اور جن کا جواب قرآن کریم کی متعدد آیات و حوالہ جات سے دیا گیا ہے۔

• ——— روئیداد:۔ طلوعِ اسلام کی آواز دنیا کے کن گوشوں تک پہنچ رہی ہے اور تحریک کی روشنی کن قلوب و اذہان کو تابناک کر رہی ہے' اس کا اندازہ اس روئیداد سے ہوتا ہے۔ بزمِ طلوعِ اسلام لندن نے قرآنی پیغام کو عامتہ الناس تک پہنچانے، نظریۂ پاکستان کو اجاگر کرنے اور تحریکِ طلوعِ اسلام کے مقصد و مسلک سے متعارف کرانے کے لئے یکم اپریل ۱۹۹۰ء کو لندن میں قراردادِ پاکستان کی گولڈن جوبلی منائی اور اس کی روئیداد ماہنامہ طلوعِ اسلام کو بھی ارسال کر دی ——— یہ "روئیداد" دراصل لندن کے اسی اجلاس کی روئیداد ہے۔

• ——— حقائق و عبر:۔ یہ صفحات اپنی معنویت کے اعتبار سے بے حد اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ادبی مذہبی اور سیاسی رسالوں کی چھان بین کے بعد ان سے ایسا مواد نکالنا جو انکشاف کی حیثیت بھی رکھتا ہو، معلوماتی بھی ہو اور تفننِ طبع کے لئے بھی سازگار ہے ——— خاصہ مشکل کام ہوتا ہے لیکن طلوعِ اسلام کا مسلک ہی جب کوہ کنی ٹھہرا تو پھر ہر مشکل از خود آسان ہو جاتی ہے۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم' بہت بڑے "ہندو نواز" تھے لیکن زندگی بھر خود کو اسلام اور اسلامی نظام کا علمبردار کہتے رہے۔ موجودہ شمارہ کے حقائق و عبر میں پہلی مرتبہ یہ انکشاف ہوا کہ مودودی صاحب کی سب سے پہلی باضابطہ تصنیف "پنڈت مدن موہن مالویہ" کی سوانح حیات پر مبنی ہے جس میں مودودی صاحب نے پنڈت مالویہ سے اپنی محبت کو راز نہیں رکھا اور کھل کر انہیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور یہ پنڈت مدن موہن مالویہ وہی تھے جن کی شہرت ہندو مت کے ساتھ' ان کی زبردست وابستگی میں پوشیدہ تھی۔ وہ کٹر ہندو فرقہ پرست جماعت "ہندو مہا سبھا" کے بانی تھے۔ اس جماعت نے ہندی مسلمانوں کا بے دریغ قتل ہی نہیں کیا تھا بلکہ ہندوستان سے اسلام اور اسلام کے نام لیواؤں کا نام و نشان تک مٹا دینے کی تحریک چلائی تھی۔ اس کی پوری تفصیل طلوعِ اسلام نے حقائق و عبر میں درج کی ہے۔

دوسرے عنوانات میں اعتکاف اور صحابہ کرام، ساری عمر نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ پاکستان عوامی پارٹی "پھر" بارگاہِ رسالت مآب میں۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے نزدیک قومی مسائل کا حل۔ خصوصیت کے حامل ہیں۔

• ——— بچوں کے لئے قرآنی تعلیمات کے صفحہ میں "اسلام" کی دوسری قسط پیش کی گئی ہے جس میں ننھے منّے ذہنوں کو روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی سی مثالوں سے 'اسلام' کی حقیقت سمجھائی گئی ہے اور ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ اسلام صرف عبادت کا نام نہیں ہے۔ زندگی گذارنے کے لئے "سلیقہ اور قاعدہ" کا نام ہے۔

قرآن فہمی (QURAN FAHMI) محترمہ شمیم انور صاحبہ کا انگریزی زبان میں مضمون ہے۔

نفسِ مضمون عنوان ہی سے ظاہر ہے۔ بتایا یہ گیا ہے کہ قرآن کریم کو سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے وہ کون سے اصول ہیں جو ہمیں قرآن ہی سے دستیاب ہو جاتے ہیں۔ اور ان اصولوں کو چھوڑ کر اگر دوسرے کسی بھی ذریعہ کو "فہم قرآن" کی بنیاد بنا لیا جائے تو نہ اسلام سمجھ میں آسکتا ہے نہ قرآن اور ہم روشنی میں ہوتے ہوئے بھی عقل کی گمراہیوں میں ہی بھٹکتے رہیں گے۔

• ——— پرچہ پریس جا رہا تھا کہ خبر ملی کہ سینیٹ نے "شریعت بل" منظور کر لیا ہے۔ ادارہ طلوعِ اسلام نے نصف صفحہ پر اس کی مختصر سی تفصیل شائع کرتے ہوئے طنز کیا ہے کہ چلو اب کم از کم سارے فرقے تو مٹ جائیں گے۔ کیونکہ بات قرآن و سنت کی کی گئی ہے اور فرقوں کا ذکر نہ کہیں قرآن حکیم میں ہے اور نہ عہدِ رسالتؐ میں ان کا وجود تھا۔

(جاری ہے)

ANNUAL SUBSCRIPTION

THE MONTHLY TOLU-E-ISLAM
25 B, GULBERG II,LAHORE

1.	IN LAND	BY CASH MONEY ORDER BANK DRAFT LOCAL CHEQUES	RS. 60/- ONLY PLUS RS. 20/- AS COLLECTION CHARGES FOR CHEQUES ON BANKS OTHER THAN LAHORE BANKS.

2. Abu Dhabi, Afghanistan, Bahrain, Bangladesh, Bhutan, Dubai, Iran, Iraq, Jordan, Kuwait, Lebanon, Maldive, Nepal, Oman, Qatar, Sri Lanka, Syria, Turkey, UAE, and Yemen. — Rs. 185

3. Albania, Algeria, Austria, Belgium, Burma, China, Czechoslovakia, Denmark, Egypt, Finland, France, Germany, UK, Greece, Hungary, India, Indonesia, Italy, Japan, Kenya, Libya, Malaysia, Netherlands, Nigeria, Norway, Rumania, Saudi Arabia, Singapore, South Africa, Sweden, Switzerland, Uganda, USSR, Zambia and Yugoslavia. — Rs. 200

4. Australia, Canada, Fiji, New Zealand and USA. — Rs. 250

5. Argentina, Bolivia, Brazil, Chile, Colombia, Cuba, Jamaica and Mexico. — Rs. 300

Packing and postage included. Add Rs. 6.00 per copy if the Magazine is demanded by Registered post. Despatch by VPP shall be made if so desired.

****

discharge of the social responsibility, While all these are true and the struggle for upliftment has to continue, can it be forgotten that men and women in the human creation are complementary to each other and it is only when a man and a woman are put together that a unit is formed? One without the other has no place in the community of homo sapiens. Therefore in a world where men and women are indispensable to each other and the status of one depends upon the existence and longing of the other, to what extent is competition between the two justifiable, is a matter to be debated in a cool and healthy setting.

> An excerpt from judgement of Indian Supreme court case State v/s Laxman Kumar, decided on sep 23 1985 (Ref 1987 MUCH 713)

TOLU-E-ISLAM: Much earlier the Quran Said:-

> And women have rights similar to those of men in a just manner (2:228)
>
> And treat them kindly (4:19)
>
> They are an apparel for you and you are an apparel for them (2:187)
>
> He is he who created you from a single soul, and of the same did He make his mate that he might find comfort in her (7:189)

****

PLEASE MAKE SURE THAT YOU HAVE RENEWED YOUR SUBSCRIPTION FOR THE YEAR 1991

****

TO COMBAT SUDDEN RISE IN PRICES, THE EXISTING VOLUME OF THE MAGAZINE IS BEING REDUCED TO 64 PAGES. WE ARE EXTREMELY SORRY FOR THIS CHANGE. IT CAN, HOWEVER, BE RECONSIDERED IF NUMBER OF SUBSCRIBERS IS RAISED OR MORE ADVERTISEMENTS ARE AVAILABLE.

MEANING OF MARRIAGE

Every marriage ordinarily involves a transplant. A girl born and brought up in her natural family, when given in marriage, has to leave the natural setting and come into a new family. When a tender plant is shifted from the place of origin to a new setting great care is taken to ensure that the new soil is suitable and not far different from the soil where the plant had hithertofore been growing, care is taken to ensure that there is not much of variation of the temperature, watering facility is ensured and congeniality is attempted to be provided. When a girl is transplanted from the natural setting into an alien family, the care expected is bound to be more than in the case of a plant. Plant has life but the girl has a more developed one. Human emotions are unknown to the plant life, In the growing years in the natural setting the girl now a bride has formed her own habits, gathered her own impressions, developed her own aptitudes and got used to a way of life. In the new setting some of these have to be accepted and some she has to surrender. This process of adaptation is not and cannot be one-sided. Give and take, live and let live, are the ways of life and when the bride is received in the new family she must have feeling of welcome and by the fond bonds of love and affection, grace and generosity, attachment and consideration that she may receive in the family of the husband, she will get into new mould, the mould which would last for her life. She has to get used to a new set of relationships-one type with the husband, another with the parents in law, a different one with the other superiors and yet a different one with the younger ones in the family. For this she would require loving guidance. The elders in the family, including the mother-in-law, are expected to show her the way. The husband has to stand as mountain of support ready to protect her and espouse her cause where she is on the right and equally ready to cover her either eye pulling her up or protecting her willingly taking the responsibility on to himself when she is at fault. The process has to be natural one and there has to be exhibition of co-operation and willingness for every side. Otherwise how would the transplant succeed.

There is yet another aspect which we think is very germane. Of late there is a keen competition between man and woman all the world over. There has been a feeling that the world has been a man-dominated one and women as a class have been trying to raise their heads by claiming equality. We are of the view that women must rise and on account of certain virtues which Nature has endowed them with to the exclusion of man, due credit must be given to women as possessors of those exclusive qualities. It is the woman who is capable of playing the more effective role in the preservation of society and, therefore, she has to be respected. She has the greater dose of divinity in her and by her gifted qualities she can protect the society against evil. To that extent women have special qualities to serve society in due